خطرناک بوڑھا
ابنِ صفی

خطرناک بُوڑھا

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۸

ابنِ صفی

۱۹۵۲

پیش رس

جب بھی جاسوسی دنیا کا کوئی ابتدائی ناول دوبارہ چھاپنے لگتا ہوں تو بے اختیار یہی دل چاہتا ہے۔ کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں۔ لیکن پھر یہ سوچ کر باز ہی رہنا پڑتا ہے کہ ایسا کرنے سے میرے پڑھنے والوں کو فریدی اور حمید کے کرداروں میں تدریجی ارتقاء کا اندازہ کرنا دشوار ہو جائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ آج کے مقابلے میں ان دِنوں کے کرداروں کو اس کتاب میں کچھ زیادہ اسمارٹ نہ پائیں ان میں وہ رچاؤ نہ ملے گا جو آج ملتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ آج کی جھلکیاں ان میں نہ ملیں۔ کیونکہ ماضی ہی سے مستقبل بنتا ہے۔

غالباً ان دونوں کے کرداروں کی مقبولیت کی بھی یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہنی ارتقاء کے ساتھ ہی ساتھ ان میں بھی تبدیلیاں ہوتی گئی ہیں۔

اگر پڑھنے والوں کا ذہنی ارتقاء انہیں پیچھے چھوڑ جاتا تو یہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہوتے۔

حمید صاحب کے متعلّق اب یہ کہا جارہا ہے کہ وہ سنجیدہ ہوتے جارہے ہیں لیکن آپ آخر بھول جاتے ہیں کہ فریدی میں بھی تو بہتیری تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ حمید میں بہت زیادہ سنجیدگی آگئی ہے۔ وہ اب بھی عموماً غیر سنجیدہ ہی رہتا ہے۔ مگر اس کے مزاج میں اب پھکّڑ پن نہیں رہ گیا۔

اب وہ بہت نپی تُلی بات کہتا ہے۔ اور موقع بے موقع ہنسانے کی بھی کوشش نہیں کرتا۔ پہلے صرف باتیں بناتا تھا اب کام بھی کرنے لگا ہے۔ بہر حال میں اسے کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ اب سنجیدہ ہو گیا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ فریدی کے تئیں سنجیدگی کا کیا معیار ہے۔ لیکن کیا حمید اس معیار پر پورا اترتا ہے؟

زیرِ نظر کہانی کے متعلّق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ آپ نے لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہی ہو گا کہ میں نے ابتداء میں چند بڑی پُر اسرار کہانیاں پیش کی تھیں یہ کہانی بھی انہیں چند کہانیوں میں سے ہے۔ آپ اسے ہر اعتبار سے دلچسپ پائیں گے۔

ابنِ صفی

بے معنی اچھل کود

میٹرو ہوٹل کی عظیم الشّان عمارت روشنی میں نہائی ہوئی شہر کے سب سے زیادہ با رونق حصّے میں اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی دولت مند اپنی کوٹھی کے پھاٹک پر کھڑا ہو کر اپنے مہمانوں کا بے چینی سے انتظار کرتا ہے تاکہ انہیں جلد سے جلد اپنی شان امارت دکھا سکے۔

فٹ پاتھ پر بے شمار موٹریں کھڑی تھیں۔۔۔ اس ہوٹل میں زیادہ تر دولت مند طبقے کے لوگ آتے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں کاروں کی قطاریں نظر آنے لگتی ہیں۔

ہوٹل کے اندر کافی بھیڑ تھی، ہال میں قریب قریب ساری میزیں بھر چکی تھیں۔ آج یہاں ایک اسپینی رقاصہ کا ناچ بھی تھا۔ اس لیے معمول سے زیادہ بھیڑ ہو گئی تھی۔ ناچ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ اسٹیج پر ریشمی پردہ لہریں لے رہا تھا اور قریب قریب سب کی نگاہیں اُدھر ہی لگی ہوئی تھیں دفعتاً ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان ہال میں داخل ہوا۔ اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ شاید وہ کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اسٹیج کے قریب لگی ہوئی ایک میز پر سے ایک لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی طرف متوجّہ کر لیا۔ نوجوان کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اس میز کے قریب پہنچ گیا۔ وہ لڑکی اور اس میز پر بیٹھے ہوئے دو مرد شاید نوجوان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔

لڑکی نے اپنے ساتھیوں سے نوجوان کا تعارف کرانا شروع کیا۔

"مسٹر شاہد جن کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔" لڑکی مُسکراتی ہوئی بولی۔

"اور یہ میرے چچا نصیر۔۔۔ میرے بھائی ارشد۔۔۔!"

نوجوان دونوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا۔

لڑکی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا اور وہ لوگ گُفتگُو میں مشغول ہو گئے۔ لڑکی کی شخصیت اتنی دِلکش تھی کہ قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اسے بُری طرح گھور رہے تھے۔ اس نے بہت ہی چُست قسم کا لباس پہن رکھا تھا جس سے اس کے جسم کی رعنائیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

"شاید صاحب مجھے رقیہ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ سیام کے قدیم باشندوں کے طرزِ معاشرت پر تحقیق کر رہے ہیں۔" لڑکی کا چچا نصیر بولا۔

"جی ہاں کوشش کر رہا ہوں۔" شاہد نے جواب دیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے بھی ایسے موضوعات سے خاصی دلچسپی ہے۔ خاص طور پر سیامی اور چینی لٹریچر کا بہت زیادہ دلدادہ ہوں۔"

"اوہ تب تو آپ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔" شاہد مسرّت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں نے خصوصاً آپ سے اسی لیے ملنا چاہا تھا کہ مجھے اپنے ہم مذاق لوگوں کی

تلاش رہتی ہے۔ آپ کو یہ سُن کر تعجّب ہو گا کہ میں نے محض پڑھنے کی خاطر اس ہوٹل میں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔"

"بہت خوب۔۔۔!" شاہد اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "واقعی سیام ایک بہت ہی پُر اسرار ملک ہے۔" نصیر چائے کا گھونٹ لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور وہاں کی قدیم تاریخ اتنی مشکوک ہے کہ کسی خاص راستے کا تعیّن کر کے چھان بین سے کوئی خاص نتیجہ اخذ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔"

شاہد کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"بخدا آج آپ پہلے آدمی ملے ہیں جس نے سیامی تاریخ کے متعلّق اتنی سچّی بات کہی ہے۔"

نصیر مُسکرانے لگا۔ اس مُسکراہٹ میں احساس برتری، آسودگی بے پرواہی سبھی کچھ شامل تھا۔

"میں اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھوں گا اگر اس سلسلے میں میری رہنمائی

کریں۔" شاہد دوبارہ بولا۔

"شوق سے۔" نصیر نے کہا۔ "ہر وقت حاضر ہوں۔۔۔ میں نے اپنی زندگی کا کافی حصّہ چین اور سیام میں گذارا ہے۔"

"تب تو آپ میری سچّی رہنمائی کر سکیں گے۔"

نصیر کچھ سوچنے لگا۔

"سیام کے جنگل بھی بڑے عجیب ہیں۔" نصیر بولا۔

شاہد توجّہ کے ساتھ سننے لگا۔ لیکن نصیر پھر کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں اسپینی رقاصہ کا ناچ شروع ہو گیا۔

نصیر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی ان لغویات سے دلچسپی نہ ہو گی۔" نصیر بولا۔

"جی نہیں۔۔۔!" شاہد نے جواب دیا۔

”تو آیئے چل کر کمرے میں گفتگو کریں گے۔“ نصیر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

اُسی کے ساتھ رقیہ کا بھائی بھی اٹھا۔۔۔شاہد بھی اُٹھ گیا۔

”آپ لوگ جایئے میں تو ناچ دیکھوں گی۔“ رقیہ بولی۔

شاہد ہنسنے لگا۔

”دنیا کی ساری عورتیں کھیل تماشوں کی دِلدادہ ہوتی ہیں۔“ نصیر فلسفیانہ انداز میں بولا۔

تینوں زینے طے کرتے ہوئے تیسری منزل پر پہنچے۔ اس وقت قریب قریب سارے کمرے مقفّل تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسپینی ایکٹریس کا رقص تھی۔

یہ لوگ تیسری منزل کے ایک کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ یہاں ایک بڑی میز تھی جس پر بہت سی کتابیں بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی تھیں اور ایک طرف لمبا پلنگ بھی پڑا ہوا تھا۔ میز کے گرد دو تین کرسیاں تھیں۔

”شاید رقیہ سے آپ کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔۔۔!“ نصیر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں۔۔۔!“ شاہد نے جواب دیا۔

”لیکن وہ آپ کا تذکرہ اس انداز میں کرتی ہے، جیسے آپ دونوں برسوں کے ساتھی ہوں۔“

شاہد نے شرمیلے انداز میں سر جھکا لیا۔

شرمانے کی ضرورت نہیں، میں محبّت کو بُرا نہیں سمجھتا۔ فلسفے نے مجھے بہت زبردست روشنی بخشی ہے۔ میں انسانیت کو خون کے رشتوں سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ ارشد میرا بھتیجا ہے لیکن ہم دونوں اکثر ایک ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ اگر آپ بھی پیتے ہوں تو مجھے آپ سے بھی تکلف نہیں۔“

”میں عادی نہیں ہوں۔“ شاہد بولا۔ ”اکثر تفریحاً پی لیتا ہوں۔“

”خیر بھئی ارشد ذرا گلاس وغیرہ نکال لینا۔۔۔“ نصیر نے کہا۔

ارشد نے الماری سے تین گلاس نکال کر میز پر رکھ دیئے اور بوتل نکال لایا۔

"اوہ اس میں تو بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ایک ہی آدمی کے لیے کافی ہو۔" نصیر بولا۔ "شاہد صاحب یہ بہترین قسم کی پرتگالی شراب ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ زیادہ نہیں۔"

نصیر نے ساری شراب شاہد کے آگے رکھے ہوئے گلاس میں انڈیل دی۔

"ہم لوگ فی الحال وہسکی ہی پر قناعت کر لیں گے۔" ارشد بولا۔

"جی نہیں۔۔۔لیجئے۔۔۔لیجئے۔" شاہد نے گلاس آگے بڑھا دیا۔

"یہاں تکلّف کی ضرورت نہیں۔" نصیر نے گلاس پھر شاہد کی طرف کھسکا دیا۔

ارشد نے الماری سے وہائٹ ہارس کی بوتل نکالی اور خالی گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی ڈال کر سوڈا ملانے لگا۔ تینوں گلاس ہاتھوں میں لے کر ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ہلکی ہلکی چسکیاں لے کر انہیں پھر میز پر رکھ دیا۔

”بات یہ ہے شاہد صاحب۔“ نصیر بولا۔ ”مجھے ایک زمانے میں سیامی ناچوں سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔“

”اچھا۔۔۔!“ شاہد متعجّبانہ انداز میں بولا۔

”ہاں۔۔۔ اور اس سلسلے میں اچھی خاصی ریسرچ کر ڈالی تھی۔“

”خوب۔۔۔!“ شاہد پر آہستہ آہستہ پرتگال کی سالہا سال پرانی شراب کا اثر ہوتا جا رہا تھا۔

”سگریٹ۔۔۔!“ نصیر نے شاہد کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں سیام کے سارے ناچ بہت اچھی طرح ناچ سکتا ہوں۔“

”میں نے ایک فلم میں سیام کے ناچ دیکھے تھے۔“ شاہد بولا۔

”کہیے آپ کو شراب پسند آئی۔“ ارشد نے کہا۔

”بہت۔۔۔ خدا کی قسم میں نے اتنی نفیس شراب پہلے کبھی نہیں پی۔“

شاہد جھومتا ہوا بولا۔ اس نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ لے کر سلگایا اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔

تینوں نے گلاس خالی کر دیئے۔ شاہد کا سر بھاری ہوا جا رہا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا سر نہیں بلکہ ایک بوجھ ہے جو بے ڈھنگے پن کے ساتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیا گیا ہو اور ذرا سی جنبش میں اس کا لڑھک جانا یقینی ہے۔ اس نے اپنا سر میز پر اوندھا لیا۔

"شاہد صاحب۔۔۔!" نصیر نے اس کا سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھیے میں آپ کو سیام کا ایک بہاریہ رقص دکھانے جا رہا ہوں۔"

"دکھایئے۔۔۔!" شاہد رُک رُک کر بولا۔

اچانک نصیر نے اٹھ کر ایک بے ہنگم قسم کی اچھل کود شروع کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ بھی دہراتا جا رہا تھا۔ اس نے ارشد کو اشارہ کیا وہ بھی اس کے ساتھ اچھلنے کودنے لگا۔ "آپ بھی ناچیے شاہد صاحب۔۔۔ یہ

سیام کا بہت ہی متبرّک ناچ ہے۔" نصیر نے بدستور اچھلتے کودتے ہوئے کہا۔

شاہد لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا اور وہ بھی انہیں کی طرح اچھلنے کی کوشش کرنے لگا۔ تینوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور ایک دائرے کی شکل میں اچھل اچھل کر ناچنے لگے۔ شاہد کے قدم سست تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تھک کر گِر پڑا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔

"ارے بس اتنے ہی میں بول گئے۔" ارشد ہنستا ہوا بولا۔ "بڑے نامرد ہو۔"

"میں۔۔۔ نامرد۔۔۔ تم خود نامرد۔" شاہد اٹھتا ہوا بولا۔

وہ تینوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر تک اس اُچھل کود کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر دفعتاً شاہد کو ایک بڑی سی قے ہوئی اور وہ وہیں فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"ختم ہو گیا۔" نصیر نے ارشد سے کہا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔

"تم لوگ نیچے چلے جاؤ۔" برابر کے کمرے سے ایک بھاری بھرکم آواز آئی۔

دونوں اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور اس دروازے کی طرف منہ کر کے قدرے جھکے جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔

دونوں اس طرح جھکے کھڑے تھے جیسے وہ کسی کی پیشوائی کر رہے ہوں۔

”اسپینی رقاصہ سے ملنا جو کچھ وہ دے اُسے نمبر سات کو دینا۔۔ بس جاؤ۔“ وہی آواز پھر سنائی دی۔ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا۔۔۔ اور ایک اور قد آور آدمی جس نے اپنا چہرہ ایک سیاہ رنگ کے نقاب میں چھپا رکھا تھا کمرے میں داخل ہوا۔

اس نے شاہد کے جسم کو دو تین بار ہلایا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ٹہلتا رہا۔ پھر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک رسّی لیے ہوئے آیا اور شاہد کے ہاتھ پیر سمیٹ کر باندھے اور اس کی لاش کو ایک ہاتھ میں لٹکا کر اس کمرے میں لیے چلا گیا۔

پھاٹک پر لاش

صُبح کا دُھندلکا پھیل چکا تھا۔ سردی کی شدّت کی وجہ سے لوگ ابھی تک لحافوں میں مُنہ چھپائے پڑے تھے۔ فریدی کسی کیس کی تیّاری کے سلسلہ میں رات بھر جاگتا رہا تھا۔ تقریباً چار بجے اس کی آنکھ لگ گئی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر سویا ہوگا کہ حمید نے آکر جگا دیا۔

"یا وحشت۔۔۔!" فریدی نے ہڑبڑا کر اُٹھتے ہوئے کہا۔ "آخر جنگلی پن کی کوئی حد بھی ہے۔۔۔اسی طرح جگاتے ہیں۔"

"اس وقت لکھنوی تکلّفات کا موقع نہیں تھا۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ذرا جلدی کیجیے ایک نئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھاٹک پر لاش۔۔۔!"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"مطلب یہ کہ ہمارے پھاٹک پر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"پھاٹک پر۔۔۔!" فریدی نے جلدی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے۔۔۔!" فریدی برآمدے میں پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا پھاٹک پر آیا۔ لاش پھاٹک سے ملی ہوئی باہر کی طرف پڑی تھی۔ فریدی نے جلدی سے پھاٹک کو کھولا۔ یہ ایک نوجوان کی لاش تھی۔ اس نے نیلی سرج کا نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا۔۔۔ فریدی لاش پر جھک گیا۔ اس نے اُسے ہلانا چاہا۔

”معلوم نہیں موت کو کتنی دیر ہوئی جسم اکڑ گیا ہے۔“ فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”کوئی زخم نہیں موت کس طرح واقع ہوئی۔ ذرا جلدی سے میرا محدب شیشہ تو لے آؤ۔“

حمید دوڑتا ہوا چلا گیا۔

فریدی بہت انہماک کے ساتھ لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید شیشہ لے کر آگیا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد فریدی نے سر اٹھایا۔

”بظاہر کوئی مشکوک بات دکھائی نہیں دیتی۔ یہ کوئی مفلوک الحال آدمی بھی نہیں معلوم ہوتا جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ سردی سے اکڑ کر مر گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ اُسے کوئی دیدہ دانستہ ڈال گیا ہے۔“حمید نے کہا۔

”تمہارا خیال صحیح ہے۔“فریدی نے کہا۔”جاؤ جا کر کوتوالی میں فون کر دو۔“

حمید پھر اندر چلا گیا اور فریدی لاش کے قریب کھڑا رہا۔

ہلکی ہلکی دھوپ نکل آئی تھی اور اب سڑک پر آمد ورفت بھی شروع ہو گئی تھی۔ لوگوں نے بھیڑ لگانی چاہی لیکن فریدی نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی لاری آ گئی۔ کوتوالِ شہر اور دو ایک سب انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ہمراہ اس پر سے اُترے۔

فریدی نے کوتوال سے سب کچھ کہہ سنایا۔

"بڑی حیرت کی بات ہے۔۔۔ آخر اسے یہاں ڈال جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" کوتوال نے کہا۔

"مجھے یقینِ کامل ہے کہ یہ یہاں نہیں مرا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو صاف ظاہر ہے۔" ایک سب انسپکٹر بولا۔

"بڑی مصیبت کا سامنا ہے، آئے دِن ایک نہ ایک آفت۔۔۔!" کوتوال پریشانی کے لہجے میں بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا شہر مجرموں کی زیارت گاہ بن گیا ہے۔"

"میرے خیال سے اب آپ اُسے اٹھوا لے جایئے۔ پوسٹ مارٹم کرانے کی کوشش جلدی کیجیے گا۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو یہ اپنے لیے ایک قسم کا چیلنج معلوم ہوتا ہے۔"

"خدا بہتر جانے۔۔۔!" کوتوال نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور لاش اُٹھوا کر لاری پر رکھوانے لگا۔

وہاں سے فرصت پا کر فریدی اور حمید اندر آئے۔

"پہلے زندہ فریادی آپ کے پاس آیا کرتے تھے اب مردوں نے بھی راستہ دیکھ لیا۔ خدا خیر کرے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے تو یہ معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آرہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"چاہے ٹیڑھا ہو چاہے سیدھا۔۔۔ بے اطمینانی تو اپنی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے۔" حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی

اُلجھن میں مبتلا ہے۔ ناشتہ آیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ حمید نے کئی بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ متوجّہ نہیں ہوا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے عملِ تنویم کے ذریعہ اسے بے حس کر دیا ہو۔ حمید اس کی عادتوں سے بخوبی واقف تھا اس لیے اس نے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

تقریباً تین بجے شام کو نوکر نے آکر اطلاع دی کہ انسپکٹر جگدیش آیا ہے۔

فریدی نے اسے فوراً ہی بلوا لیا۔ اس سے قبل وہ کئی ملنے والوں کی علالت کا بہانہ کر کے ٹال چکا تھا۔

”کہو جگدیش کیسے آئے۔“ فریدی نے اُٹھ کر ٹہلتے ہوئے پوچھا۔

”ارے صاحب کیا بتاؤں۔۔۔ اس لاش کے متعلّق تحقیقات میرے ہی سپرد کی گئی ہے۔“

”ہوں۔۔۔!“

”پوسٹ مارٹم کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ مرنے والا مرگی کا مریض تھا۔ اور مرگی

کے دورے ہی کی حالت میں اچانک اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔"

"ہوں۔۔۔!"

"تب تو ساری اُلجھن رفع ہو جاتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ رات میں کسی وقت گذرا۔۔۔ یکایک یہاں پہنچ کر مرگی کا دورہ پڑا اور گر پڑا اور پھر اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ اللہ اللہ خیر سلا۔"

"شاباش۔۔۔!" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔

"میرا دماغ تو اِس طرف پہنچا ہی نہیں تھا۔ واقعی تم ایک بڑے کار آمد آدمی ہو۔" حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں تو پھر تفتیش کیسی؟" فریدی جگدیش کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"یہی کہ وہ کون تھا۔۔۔ کہاں رہتا تھا۔۔۔ نام۔۔۔ پتہ نشان وغیرہ وغیرہ۔ اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس کی بناء پر اس سے کچھ معلوم ہو سکتا۔"

”تو یہ کون سی بڑی بات ہے۔ شام کے اخبار میں اس کے متعلّق کچھ نہ کچھ ضرور چھپے گا جسے دیکھ کر اس کا کوئی نہ کوئی وارث، دوست یا جان پہچان والا کوتوالی ضرور پہنچے گا۔“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔۔۔ دیکھیے۔۔۔ اگر کوئی پردیسی نہ ہوا تو۔۔۔!“ جگدیش نے کہا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ فریدی نے آرام کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سگار کے ہلکے ہلکے کش لے کر فضا میں دھوئیں کے لچکیلے لہریئے بکھیر رہا تھا۔

”واقعی یہ مرض بڑا اخطرناک ہے۔“ جگدیش نے کہا۔

”کون سا مرض۔۔۔!“ فریدی نے چونک کر کہا۔

”یہی مِرگی۔“

”تو کیا تم واقعی اِسے مِرگی ہی کا کیس سمجھتے ہو۔“

”میں کیا۔۔۔ ڈاکٹروں کی یہی رائے ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے کوٹ میں سے درزی کا لیبل کیوں نوچا گیا ہے۔“

”لیجئے۔۔۔ جگدیش صاحب اُلجھ گیا معاملہ۔“ حمید نے کہا۔

”واقعی یہ بات قابل غور ہے۔“ جگدیش بولا۔

”کیا یہ ممکن نہیں کہ خود مرنے والے نے اسے کسی وجہ سے نکال دیا ہو۔“ حمید نے کہا۔

فریدی نے مُسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔۔۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔

”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کچھ اور بھی ہے۔“

”اور تو کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔“ جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اوہ ٹھیک یاد آیا۔۔۔ ڈاکٹر کی رائے ہے کہ مرنے سے قبل شاید اسے قے بھی ہوئی تھی۔“

”قے۔۔۔!“ فریدی چونک کر بولا۔

وہ کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔

”مِرگی۔۔۔قے۔۔۔ہارٹ فیل۔۔۔!“ وہ بڑبڑاتا ہوا اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔

اُس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکل رہے تھے، جو کم از کم حمید اور جگدیش کے لیے نئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفعتاً وہ مڑا اور کمرے سے نکل کر لائبریری میں چلا گیا۔

حمید اور جگدیش حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کافی دیر تک بیٹھے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے۔ دفعتاً انہیں فریدی کا قہقہہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے۔ چند لمحوں بعد فریدی مُسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

”کوئی نئی بات۔“ حمید نے پوچھا۔

فریدی کوئی جواب دیے بغیر آنکھیں بند کر کے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔

دوسری لاش

لاش کے متعلّق کسی کو کُچھ بھی نہ معلوم ہو سکا اور آخر کار وہ سپرد خاک کر دی گئی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے آگے بھلا فریدی کی کیا چلتی۔ اس نے بھی یہ ضروری نہ سمجھا کہ حکام کو اپنے شکوک سے آگاہ کرے۔ کیونکہ قریب قریب سب کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس کی موت معمولی حالات میں واقع ہوئی تھی۔ پولیس والوں نے بھی سوچا کہ چلو ایک جھنجھٹ سے نجات ملی۔ اگر کہیں زہر خورانی یا قتل وغیرہ کا کیس ثابت ہوتا تو خواہ مخواہ مُصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا۔ لیکن ان کا یہ سکون زیادہ وقفے تک بر قرار نہ رہ سکا۔ تیسرے دِن پھر ایک لاش

فریدی کے پھاٹک پر پائی گئی اور پولیس والوں کو اُلجھن میں مبتلا ہونا پڑا۔ یہ لاش بھی ایک نوجوان ہی کی تھی۔

"لیجئے جناب۔۔۔ اس پر بھی مِرگی کا دورہ میرے ہی پھاٹک پر پڑا۔" فریدی ڈی ایس پی سے کہہ رہا تھا۔

"واقعی یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔" ڈی ایس پی بولا۔

"لیکن یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس پر بھی مِرگی کا دورہ ہی پڑا۔" ایک سب انسپکٹر نے کہا۔ "نہ گھوڑا دور نہ میدان، اس کے متعلّق بھی ڈاکٹروں کی رپورٹ دیکھ لیجئے گا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کی موت بھی انہیں حالات میں ہوئی ہے، جن میں پہلے ہوئی تھی۔" فریدی نے کہا۔

پولیس والے طنزیہ انداز میں مُسکرانے لگے۔

"خیر صاحب دیکھا جائے گا۔" ڈی ایس پی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید لوٹ آئے۔

”معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھے کبھی چین نہ لینے دیں گے۔“ حمید نے میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ نیچے کرسی پر تشریف رکھیے۔ پتہ نہیں تمہیں کب سلیقہ آئے گا۔“ فریدی نے کہا۔

حمید میز سے اُتر کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

”ہاں تو فرمایئے میں آپ کو کیوں چین نہ لینے دوں گا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”آخر خواہ مخواہ ان لوگوں کو شبہات میں مبتلا کرنے کیا ضرورت تھی۔“حمید نے کہا۔

”شبہہ کیوں۔۔۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان دونوں کی موتیں غیر معمولی حالات میں ہوئی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”صرف آپ کے نزدیک! اور نہ وہ لوگ تو اسے قتل سمجھنے کے لیے تیّار ہی نہیں۔ اب انہیں بھی خواہ مخواہ اس معاملے میں ہوشیار ہونا پڑے گا اور آئی گئی

اپنے سر جائے گی۔"

"لیکن میں خود اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"آپ کی دلچسپی۔۔۔ آپ تو ہر معاملے میں کود پڑتے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ بے کار باتیں نہیں۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔

"اچھا صاحب میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ کی قسمت ہی میں در در کی ٹھوکریں لکھی ہوئی ہیں۔"

"اس وقت تو تم کسی شوہر پرست اور چڑچڑی قسم کی بیوی کی طرح باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا۔۔۔!" حمید نے گنگنا کر کہا۔

"ہونٹ چاٹو۔۔۔ ہونٹ برخوردار۔۔۔ احمق کہیں کے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"غزالہ آپ کے لیے ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکے گی۔" حمید نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی، لیکن فریدی سُنی ان سُنی کر کے بولا۔

"ہاں تو دیکھو تم بڑے ہسپتال چلے جاؤ اور جیسے ہی ڈاکٹر کی رپورٹ تیّار ہو جائے اس کے متعلّق پتہ لگا کر سیدھے آفس چلے آنا۔" حمید ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسی کی کیا بات۔" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں، بہر حال آپ غزالہ کا تذکرہ میری زبان سے نہیں سُننا چاہتے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"بخدا بہت حسین ہے۔"

"ہو گی۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ۔"

"لیکن میں آپ کا سچ نہیں سُننا چاہتا۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "آپ

براہِ کرم ناشتہ کر کے سیدھے ہسپتال چلے جایئے۔۔۔ میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں۔"

حمید ناشتہ کر کے ہسپتال چلا گیا اور فریدی لائبریری میں بیٹھ کر ایک کتاب اُلٹنے پلٹنے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ مطالعہ کرتا رہا۔ وہ ایک کے بعد دوسری کتاب اُٹھاتا اور پڑھ کر رکھ دیتا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایک ہی موضوع پر متعدد کتابیں دیکھ رہا ہو۔ اس کے چہرے پر بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ پڑھتے پڑھتے اُچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی اور چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اس نے ایک سگار سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

دس بج رہے تھے، اس نے لائبریری سے ڈرائنگ روم میں جا کر کچھ کھانا کھایا اور آفس چلا گیا۔ وہ بے چینی سے حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً تین بجے حمید واپس آیا۔

”کہو بھئی کیا خبر لائے۔“ فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

”آپ کا خیال قطعی درست ثابت ہوا۔ دوسری لاش کے متعلّق بھی حرف بحرف وہی رپورٹ ہے جو پہلی لاش کے متعلّق تھی۔“حمید نے کہا۔

”ہوں۔۔۔!“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار ہونٹوں میں دبا کر سامنے رکھے ہوئے فائل پر نگاہیں جمادیں۔

”اس رپورٹ سے پولیس والوں میں کافی ہیجان پھیل گیا ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ معاملہ جلد ہی ہم لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گا۔“

”ہوں۔۔۔!“

فریدی اُٹھ کر برآمدے میں چلا گیا۔ ابھی اسے یہاں آئے ہوئے چند ہی منٹ گذرے تھے کہ چپراسی نے آکر جیکسن صاحب کا سلام دیا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جیکسن کے کمرے کی طرف بڑھا۔ ”آیئے۔۔۔ آیئے۔۔۔ مسٹر فریدی۔“ جیکسن نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

فریدی سے کہا۔ فریدی بیٹھ گیا۔

میں نے سُنا ہے کہ آج پھر آپ کے پھاٹک پر کوئی لاش پائی گئی ہے۔

"جی ہاں اور پوسٹ مارٹم کے بعد ڈاکٹروں نے بالکل وہی رپورٹ دی ہے جو پہلی لاش کے متعلّق تھی۔"

"ارے۔۔۔!" جیکسن چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔۔۔!"

"بڑی عجیب بات ہے۔" جیکسن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دونوں لاشیں آپ ہی کے پھاٹک پر پائی گئیں اور دونوں کے متعلّق ایک ہی رپورٹ۔۔۔ بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جیکسن تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ "کہیے کوئی کلیو۔"

"فی الحال کوئی نہیں۔۔۔ کوئی ایسی چیز ہی نہیں مل سکی جس کی بناء پر کوئی خاص

رائے قائم کی جاتی۔" فریدی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سول پولیس کے بس کا کیس نہیں۔" جیکسن بولا۔

"دیکھیے۔۔۔ کیا ہوتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"ہو گا کیا۔۔۔ ہمارے ہی سر مصیبت آئے گی۔" جیکسن نے کہا۔ "لیکن میں نے جمع کا صیغہ غلط استعمال کیا ہے۔ تنہا آپ کے سر مصیبت آنے والی ہے۔"

"اور میں اس قسم کی مصیبتوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"واقعی آپ ہی کا کام ہے۔"

فریدی خاموش رہا۔

"اگر آپ کو کوئی ضروری کام ہو۔"

"جی ہاں۔۔۔!" فریدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

وہ پھر اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔

"کہیے کیا پولیس نے کاغذات یہاں بھیج دیئے۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" فریدی نے کہا اور کاغذات اُلٹنے پلٹنے لگا۔

"اگر واقعی یہ کیس ہمارے سپرد کر دیا گیا تو پریشانی ہو گی۔" حمید بولا۔

"ظاہر ہے۔"

حمید نے فریدی کے مختصر جوابات سے اندازہ لگا لیا کہ وہ اس وقت باتیں نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

ایک اجنبی

سِول پولیس کے تھک ہار جانے کے بعد یہ معاملہ محکمہ سُراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔ کیس پیچیدہ تھا اس لیے حکام نے اس کے لیے فریدی کو منتخب کیا۔ اگر کیس کسی دوسرے کو دیا بھی جاتا تو فریدی کوشش کر کے اس کا چارج خود لیتا کیونکہ وہ اسے اپنے لیے ایک قسم کا چیلنج سمجھ رہا تھا۔

فریدی اس کیس کا انچارج بن تو گیا تھا لیکن ابھی تک وہ کسی راستے کا تعیّن نہیں کر سکا تھا۔ اس بار اسے بالکل اندھیرے میں تیر پھینکنا پڑا تھا۔ ابھی تک کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس کے سہارے وہ مجرم تک پہنچ سکتا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ایسے

مواقع پر یونہی بے مقصد شہر کے چکر لگایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ دستور کے مطابق شہر کی گلیاں اور سڑکیں ناپ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک چھوٹے سے خوبصورت کیفے کے سامنے رُک گیا۔ اندر اُسے ایک جانی پہچانی شکل نظر آئی وہ سوچنے لگا کہ اس نے اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک فٹ پاتھ پر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کیفے میں داخل ہو گیا۔ وہ شخص جسے دیکھ کر وہ رُکا تھا ایک خالی میز پر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی تھا اس نے کتھئی رنگ کے سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر روسی طرز کا بھاری بھرکم فریم والا چشمہ تھا اور انگلیوں میں نہایت سُبک اور عمدہ قسم کی انگوٹھیاں تھیں۔ سُرخ و سپید چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی داڑھی اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"جی۔۔۔!" اس نے سر اُٹھا کر فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کئی میزیں بالکل خالی ہیں۔"

اس کی آواز سن کر فریدی کے ماتھے کی شکنیں ابھر آئیں، لیکن پھر فوراً ہی چہرے پر مُسکراہٹ کی لہریں پھیلتی نظر آئیں۔

"نہیں یار شنکر میں تو یہیں بیٹھوں گا۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ فریدی کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔ میں تمہیں گرفتار کرنے نہیں آیا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "خاموشی سے بیٹھ جاؤ، ورنہ اس طرح اچھل کود دوسروں کو مشکوک کر رہی ہے، وہ دیکھو لوگ ہمیں گھورنے لگے۔"

اس آدمی نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنا رویہ یکسر بدل دیا اب وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملا رہا تھا۔ دونوں ہنستے ہوئے بیٹھ گئے۔ فریدی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

"کہو۔۔۔ کلکتے سے کب آئے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کئی دِن ہوئے۔" اجنبی نے جواب دیا۔

"مجھے چائنا بینک کے ڈاکے کا حال معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم مطمئن رہو معمولی قسم کے چوروں یا ڈاکوؤں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔" اجنبی خاموش بیٹھا سنتا رہا۔

"کیا تم اسی وجہ سے وہاں سے چلے آئے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہر گز نہیں۔۔۔ وہاں کسی میں اتنی ہمّت نہیں کہ مُجھ پر ہاتھ اُٹھا سکے۔" اجنبی جوش میں بولا۔

"آدمی دلیر ہو۔۔۔ یہ تو میں مانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیز لے کر آ گیا۔

"لو بھئی چائے پیئو۔۔۔!" فریدی نے اس کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔۔۔!" اجنبی مُسکرا کر بولا۔ لیکن اس عنایت کا مطلب سمجھ میں نہیں

آیا۔

”سنو یار! میں بھی آدمی ہوں۔۔۔ مُجھ پر ہر وقت سُراغ رسانی کا بھُوت نہیں سوار رہتا اور پھر تم ویسے ہی مجھے جانتے ہی ہو کہ میں کتنا سوشل آدمی ہوں۔“

”بہت اچھی طرح۔۔۔!“ اجنبی طنزیہ انداز میں بولا۔

”تمہارے لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تمہاری بدگمانی دور نہیں ہوئی۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ حقیقت ہے۔۔۔!“ اجنبی نے کہا اور چائے پینے لگا۔

”پیسٹری۔۔۔!“ فریدی نے پیسٹری کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”دیکھو شنکر اس حقیقت سے تمہیں انکار نہ ہونا چاہیے کہ اس وقت تم میرے

قبضہ میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باہر کافی تعداد میں پولیس کے جوان موجود ہوں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

اجنبی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" اجنبی اُلجھ کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ صرف دوستانہ بات چیت۔۔۔ یہ تو سوچو کہ ہم تقریباً پانچ سال بعد ملے ہیں۔"

"اور جیسے آپ نے یہ پانچ سال کا عرصہ میرے لیے تڑپ تڑپ کر گزارا۔۔۔!" اجنبی ہنس کر بولا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔ "بس تمہاری گفتگو کا یہی انداز مجھے پسند ہے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" اجنبی نے مُسکرا کر کہا۔ "میں آپ کی ان چکنی چپڑی باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرا ان لاشوں سے قطعی کوئی تعلق نہیں، جو آپ کے پھاٹک پر پائی گئی تھیں۔"

"بخدا تم بڑے ذہین ہو۔۔۔اچھا تمہارا ان لاشوں کے متعلّق کیا خیال ہے۔"

"وہی جو آپ کا ہے۔"

"یعنی۔۔۔!"

"اس معاملے میں کسی بہت ہی گہرے قسم کے بزرگوار کا ہاتھ ہے۔" اجنبی بولا۔

"بہت اچھے۔" فریدی نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم یہاں بھیس بدلے ہوئے کیوں گھوم رہے ہو اور یہاں آنے کا مقصد۔"

"آپ جانتے ہی ہیں کہ میں یہاں سے کیوں بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں بھیس بدلے بغیر میں یہاں کیسے آسکتا تھا۔"

”مگر اُس لڑکی کا کیا ہوا جسے تم لے بھاگے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”دیکھیے آپ پھر غلط قسم کے سوالات کر رہے ہیں۔“ اجنبی جلدی سے بولا۔ ”میں اسے نہیں لے بھاگا تھا بلکہ وہ خود مجھے بھگا لے گئی تھی۔“

”چلو یہی سہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”غالباً وہ تمہارے ہی ساتھ ہو گی۔“

”نہیں۔۔۔!“ اجنبی نے مُسکرا کر کہا۔ ”کلکتے سے وہ ایک دوسرے آدمی کو بھگا لے گئی۔ دراصل اُس نے وقتی طور پر اپنے بوڑھے اور دولت مند شوہر سے پیچھا چھڑانے کے لیے مجھے آلہ کار بنایا تھا۔“

”بہر حال بے چارے رائے بہادر مُفت میں مارے گئے۔“

”ذرا آہستہ بولیے۔“ اجنبی نے آہستہ سے کہا۔

”اوہ معاف کرنا۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہاں تم نے اپنے یہاں آنے کی وجہ نہیں بتائی۔“

”کیا کیجیے گا سُن کر۔۔۔ آپ کو ہنسی آئے گی۔“

”اچھا۔۔۔!“ فریدی نے معتجّبانہ لہجے میں کہا۔ ”بھلا ہنسی کیوں آئے گی۔“

”بات ہی ایسی ہے۔“

”پھر بھی۔۔۔!“

”آپ نے سُنا ہو گا کہ آج کل میٹرو میں ایک اسپینی رقاصہ آئی ہوئی ہے۔“ اجنبی نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”ہاں سُنا تو ہے۔۔۔ پھر۔۔۔!“ فریدی اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”میں کلکتے سے اُس کا پیچھا کرتا ہوا آ رہا ہوں۔“ اجنبی نے کہا۔

”کیا بہت زیادہ مالدار ہے۔“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”آپ پھر غلط سمجھے۔“ اجنبی جلدی سے بولا۔ ”میں دراصل۔۔۔!“

”اوہ سمجھا۔۔۔!“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”شاید اس پر عاشق ہو گئے ہو۔“

”چلیے یہی سمجھ لیجئے۔“ اجنبی بھی ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر اچانک اجنبی بولا۔

”میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے۔“

”ابھی شاید تمہارا اطمینان نہیں ہوا۔“ فریدی نے کہا۔

”بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ جب کہ آج کل میرا وارنٹ جاری ہے۔“

”پھر مُجھے اِس سے کیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میں معمولی معاملات میں قطعی دلچسپی نہیں لیتا۔“

”میں یہ بھی جانتا ہوں۔۔۔ لیکن۔۔۔!“

”میرا اس طرح پیش آنا مصلحت سے خالی نہیں۔“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

”جی ہاں۔۔۔!“ اجنبی نے سر ہلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"فرض کرو۔۔۔ میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بسر و چشم۔۔۔ میں اپنے لیے باعثِ فخر سمجھوں گا۔ بشرطیکہ اس میں کوئی چال نہ ہو۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر جب تمہیں اطمینان نہیں ہوتا تو جانے دو۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"اس کام کی نوعیت۔۔۔؟" اجنبی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔" فریدی بولا۔ "تو تم بھی وہیں میٹرو میں ٹھہرے ہو گے۔"

"ظاہر ہے۔۔۔!" اجنبی مُسکرا کر بولا۔

"اچھا تو پھر میں آج شام کو میٹرو آؤں گا۔۔۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ تمہاری پسند کیسی ہے۔" فریدی نے کہا۔

”ضرور ضرور۔۔۔میں آپ کا انتظار کروں گا۔اکیلے ہی آیئے گا۔“

”نہیں۔۔۔میرے ساتھ میرا اسسٹنٹ حمید بھی ہو گا۔“

”اچھا تو میں ایک میز پہلے ہی مخصوص کرالوں گا۔۔۔کیونکہ آج کل بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔“

”بہت اچھا۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور کاؤنٹر پر بل ادا کر کے باہر نکل گیا۔

اجنبی بھی اُٹھا اور فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر جاتے ہوئے فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔اچانک فریدی لوٹ پڑا۔

”ایک بات تو بھول ہی گیا۔“ فریدی اس کے قریب آکر بولا۔

”فرمایئے۔“

”تمہارا موجودہ نام کیا ہے۔“

”لوگ مجھے پروفیسر جاوید کہتے ہیں۔“

”بہت خوب۔۔۔اچھاتو پھر آٹھ بجے ملاقات ہو گی۔“

”ضرور۔۔۔!“

فریدی اس سے ہاتھ ملا کر چل پڑا۔

ایک تصویر ایک خط

میٹرو ہوٹل کا وسیع ہال شہر کے فیشن ایبل اور ذی حیثیت طبقہ کے افراد سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آج اسپینی رقاصہ کا اسپیشل پروگرام تھا۔ کچھ میزیں خالی نظر آ رہی تھیں۔ لیکن بہتیرے لوگوں کی واپسی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ پہلے ہی سے "مخصوص" کرائی جاچکی ہیں۔

فریدی اور حمید بہترین سوٹوں میں ملبوس میٹرو ہوٹل کے ہال میں داخل ہوئے، فریدی کی نگاہیں شنکر کو تلاش کر رہی تھیں۔ دفعتاً ایک جگہ اس کی نظریں رک گئیں۔ شنکر ہاتھ اٹھائے انہیں اپنی طرف متوجّہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا دونوں

جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے اس کی میز پر پہنچے۔

"پروفیسر جاوید اور سارجنٹ حمید۔۔۔!" فریدی نے شنکر اور حمید کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے۔

چند رسمی جملے کہے اور بیٹھ گئے، شنکر نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

حمید کی نگاہیں بار بار اسٹیج کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر آج فریدی کو یک بیک تفریح کی کیوں سوجھی اور تفریح بھی کیسی ایک خوبصورت عورت کا ناچ۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ پروفیسر جاوید کون ہے کہاں سے آیا ہے اور فریدی کا کس قسم کا دوست ہے۔ کیونکہ اس نے فریدی کی زبان سے اس کا تذکرہ کبھی نہیں سُنا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سارا ہال آرکسٹرا کی آواز سے گونج اٹھا۔ گو کہ موسیقی غیر ملکی تھی لیکن انواع و اقسام کے سازوں کی ہم آہنگی نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جو کم از کم مغربی طرز کے ہندوستانیوں کے لیے نئ نہ تھی۔ اسپینی رقاصہ اپنے ڈھیلے ڈھالے ریشمی لباس میں ہلکورے لیتی ہوئی اسٹیج

پر نمودار ہوئی۔ یہ لوگ جس میز پر تھے وہ اسٹیج سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ رقاصہ کے دِل آویز خدوخال یہاں سے صاف نظر آ رہے تھے۔ فریدی کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

"کوسائی کی طرزِ جدید۔۔۔!" وہ زیرِلب بڑبڑایا۔

"جی۔۔۔!" شنکر چونک پڑا۔

"اسپین کا دہقانی رقص کچھ نئی تبدیلیوں کے ساتھ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں تمہارے انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

حمید ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"شکریہ۔۔۔!" شنکر بولا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پردہ گرا دیا گیا۔۔۔ سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اسی شور میں فریدی کو کسی کی آواز سُنائی دی، جو بُری طرح چیخ رہا تھا۔

”سُرخ۔۔۔سُرخ۔۔۔سب کچھ سُرخ۔۔۔یہ کیسی سُرخی ہے۔“

فریدی چونک پڑا۔۔۔ایک آدمی چیختا چلاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

”شاید زیادہ پی گیا ہے۔“کئی میزوں سے آوازیں آئیں۔

فریدی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اُسے اب تک ”سُرخ سُرخ“ کی چیخیں سُنائی دے رہی تھیں۔

”حمید جلدی کرو۔“ فریدی کہتا ہوا اُس آدمی کے پیچھے لپکا۔اُس نے ایک اور شخص کو بھی اُس کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا،حمید اور شنکر دونوں اُٹھ کر آگے بڑھے۔

باہر نکل کر دوسرے آدمی نے چیخنے والے کو پکڑ لیا اور اُسے لے جانے کے لیے کھینچنے لگا۔

”کیا بات ہے۔۔۔!“ فریدی نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

”آپ سے مطلب۔۔۔!“ دوسرا آدمی درشت لہجے میں بولا۔

مدہوش آدمی قہقہہ لگا کر بولا۔ ”تم بھی سُرخ ہو۔۔۔ میں بھی سُرخ ہوں، سب کچھ سُرخ ہے۔“

”دیکھو مسٹر سیدھی طرح بات کرو۔“ فریدی گرج کر بولا۔

”تم کون ہوتے ہو ہمارے معاملات میں دخل دینے والے۔“ اس نے کہا۔

”ابھی بتاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر فریدی نے گردن پکڑ لی۔

وہ گردن چھُڑانے کے لیے جدوجہد کرنے لگا۔ اس سلسلے میں اس نے فریدی کے دو تین مکّے بھی رسید کیے لیکن فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

”تم دونوں اسے کار میں لے کر فوراً گھر جاؤ۔۔۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

دونوں نے مدہوش آدمی کو زبردستی کار میں بٹھایا اور فریدی کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی اس آدمی کو گردن سے پکڑے ہوئے قریب کے تھانے کی

طرف لے چلا۔

سب انسپکٹر اُسے اس حال میں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”رشید اِسے بند کر دو۔۔۔ مجھے جلدی ہے ابھی آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے گردن پکڑے ہوئے آدمی کو فرش پر دھکیل دیا۔

”کب تک کے لیے۔“ رشید نے پوچھا۔

”جب تک میں واپس نہ آؤں۔“ فریدی نے دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

اس نے بہت سے لیموں خریدے اور ایک ٹیکسی لے کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مدہوش آدمی صوفے پر پڑا گہرے سانس لے رہا تھا۔ حمید اور شنکر اس پر جھکے ہوئے تھے۔

”اِسے قے تو نہیں آئی؟“ فریدی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔!“

حمید قے کا نام سن کر چونک پڑا۔

”قے۔۔۔کیا مطلب۔۔۔!“

”ابھی بتاتا ہوں۔۔۔“ فریدی نے کہا۔ ”اِس کا منہ چیرو۔۔۔جلدی کرو۔“

حمید نے منہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس کے دانت ایک دوسرے پر جم کر رہ گئے۔ بہ ہزار دقّت وہ مُنہ کھولنے میں کامیاب ہوا۔ فریدی نے سارے لیموں کاٹ کاٹ کر اس کے حلق میں نچوڑ دیے اور ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ شنکر اور حمید سمجھ رہے تھے کہ شاید فریدی نے اس کا نشہ کم کرنے کے لیے ایسا کیا ہو۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ دفعتاً اس کے منہ اور ناک سے ہرے رنگ کا پانی بہنے لگا۔

”اوہ۔۔۔!“ فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”میرا خیال صحیح نکلا۔“

”یعنی۔۔۔؟“ حمید جلدی سے بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔۔۔!" فریدی نے کہا اور بے ہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مگر سب لا حاصل۔" وہ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "اس کی جان تو بچ گئی لیکن ہمارے لیے بے سود۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"گھبراتے کیوں ہو۔۔۔ بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ اگر اتّفاق سے یہ ہمارے ہاتھ نہ لگ جاتا تو ہمیں اس کی لاش بھی اپنے پھاٹک پر دیکھنی پڑتی۔"

حمید اور شنکر اپنی اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔

"وہ کیسے۔۔۔!" فریدی سکوت کے ساتھ بولا۔

اس نے اُٹھ کر اس کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کی۔

چند کاغذات اور کچھ سِکّے نکال کر اس نے میز پر ڈال دیئے اور ایک ایک کر کے

کاغذات کا مطالعہ کرنے لگا۔ دفعتاً چونک پڑا۔

"لو بھئی۔۔۔ شاید یہ صاحبزادے عشق بھی فرماتے تھے۔" فریدی نے ایک چھوٹی سی تصویر اور ایک کاغذ کا ٹکڑا احمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

شنکر بھی دیکھنے کے لیے جھک پڑا۔ دفعتاً اس کے منہ سے معتجّبانہ انداز میں ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"ارے یہ تو۔۔۔ وہ ہے۔۔۔!" شنکر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کون۔۔۔؟" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پروفیسر نصیر کی بھتیجی۔۔۔ رقیّہ۔۔۔!"

"پروفیسر نصیر۔۔۔ کون پروفیسر نصیر۔۔۔؟"

"وہیں میٹرو میں رہتا ہے۔۔۔ اس نے محض مطالعہ کرنے کی غرض سے وہاں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔"

”اوہ۔۔۔!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”پروفیسر نصیر۔۔۔ کیا تمہاری اس سے جان پہچان ہے؟“

”بہت معمولی سی۔“ شنکر بولا۔

”کیا لڑکی بھی اس کے ساتھ رہتی ہے؟“

”نہیں۔۔۔!“

فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا اور تصویر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔

”یہ خط ہے۔۔۔ بہت دلچسپ۔“ فریدی نے کہا اور خط پڑھنے لگا۔

”ڈیئر سعید۔۔۔!

آج شام کو میٹرو میں ملو، اور ہاں میری وہ تصویر بھی لیتے آنا، جو میں نے تمہیں دی تھی۔ میری ایک سہیلی اسے دیکھنا چاہتی ہے۔ میں اسے دِکھا کر تمہیں پھر واپس کر دوں گی۔ چچا جان تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ فقط۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔

"ایک دلچسپ جال۔۔۔!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "محبّت کی پینگیں بڑھانے کے لیے اس نے اسے اپنی تصویر دی اور پھر نہایت خوبصورتی کے ساتھ واپس لینا چاہتی ہے تاکہ اس کے مر جانے کے بعد اس کے یہاں سے کوئی ایسی چیز نہ دستیاب ہو سکے، جس کے ذریعہ مجرموں کا سُراغ ملنے کا امکان ہو۔۔۔ مگر افسوس کہ کسی وجہ سے پلان ناکام رہا۔"

"آخر آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں؟" حمید نے کہا۔

"ابھی فی الحال وضاحت کے لیے وقت نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تُم یہیں اس کے پاس ٹھہرو۔۔۔ نوکروں کو بھی یہیں بلوا لو۔ کیونکہ یہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ہوش میں نہ رہے گا۔ نہیں سمجھے! اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہو گا۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نکل کر جانے نہ پائے۔۔۔ اور تم شنکر۔۔۔ اوہ۔۔۔ جاوید میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی شنکر کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

چند لمحوں بعد فریدی کی کار میٹرو کی طرف جا رہی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔۔۔؟" شنکر نے پوچھا۔

"میٹرو۔۔۔!"

"کیوں۔۔۔؟"

"پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی۔"

"اوہ۔۔۔!"

پھر خاموشی چھا گئی۔ کار شہر کی پُر رونق سڑکوں سے گذر رہی تھی۔

"ارے یہ کیا۔۔۔؟" دفعتاً شنکر چیخا۔

"کیا۔۔۔!"

شنکر نے میٹرو ہوٹل کے ایک حصّے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے شعلے نکل رہے تھے۔

”آگ۔۔۔!“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”یہ آگ کیوں؟“

اس نے فٹ پاتھ پر کار کھڑی کر دی۔ لوگ میٹرو سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔ باہر کھڑے ہوئے آدمی بُری طرح چیخ رہے تھے۔ پولیس بھی آگئی تھی۔

فریدی اور شنکر اندر گھُسنے لگے۔

”کیا ہے۔۔۔ کون ہو تم لوگ۔“ ایک سب انسپکٹر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اپنے چہرے پر جھکے ہوئے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اٹھا دیا۔

”اوہ آپ۔۔۔!“ سب انسپکٹر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

وہ دونوں تیزی سے اندر گھُس گئے۔

”نصیر کا کمرہ۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔

”ادھر۔۔۔!“ شنکر بولا۔ اور دونوں ایک طرف کے زینوں پر چڑھنے لگے۔

”اوہ۔۔۔!“شنکر رُک گیا۔

”کیا۔۔۔؟“

”اُسی کے کمرے میں آگ لگی ہے۔“

”پٹرول کی بو۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”آگ دیدہ دانستہ لگائی گئی ہے، مگر کیوں؟“

دونوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن آگ کی لپیٹیں اتنی تیز تھیں کہ قدم بڑھانا محال معلوم ہورہا تھا۔ یہاں اس جگہ بھی کافی مجمع ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد آگ بجھانے والے انجن آ گئے اور کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پا لیا گیا۔ فریدی اور شنکر آگے بڑھے۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں جل کر کوئلہ ہو چکی تھیں۔۔۔ اندر کا سارا سامان بھی انگاروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا تھا۔

”بے کار بے سود۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”وہ لوگ صاف نکل گئے۔“

”جی۔۔۔!“شنکر چونک کر بولا۔

”خیر کوئی پرواہ نہیں، ابھی ایک کڑی ہمارے ہاتھ میں ہے۔“ فریدی نے کہا اور زینوں سے نیچے اترنے لگا۔

”آؤ شنکر تھانے چلیں۔“

سب انسپکٹر انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کہیے کوئی اور خدمت۔۔۔؟“ وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

”ذرا اُسے لاؤ۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔

”کسے۔۔۔؟“سب انسپکٹر متعجّبانہ انداز میں بولا۔

”یہی جسے میں تمہارے سپرد کر گیا تھا۔“

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

”اِس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“ فریدی اُسے گھور کر بولا۔

سب انسپکٹر اور زور سے ہنسنے لگا۔

"کیا لغویت ہے!" فریدی تقریباً چیخ کر بولا۔

سب انسپکٹر خاموش ہو گیا۔ وہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"آخر بولتے کیوں نہیں؟" فریدی پھر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر میں اسے کیا سمجھوں؟" سب انسپکٹر الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"عجیب آدمی ہو تم۔۔۔ آخر سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"جناب والا۔۔۔ ابھی ابھی آپ خود ہی تو اسے لے گئے ہیں۔" سب انسپکٹر بھی کچھ گرم لہجے میں بولا۔

"میں۔۔۔؟" فریدی اچھل پڑا۔

”جی ہاں۔۔۔!“ سب انسپکٹر نے کہا اور ناخوشگوار انداز میں دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”تب تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔“ فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔

”دھوکا؟ کیا مطلب؟“ سب انسپکٹر چونکا۔

”میرے بھیس میں کوئی اور اُسے اُڑا لے گیا۔“

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔“ سب انسپکٹر گھبرا کر بولا۔

”کیا اُسے لے جانے والا تنہا تھا؟“

”جی ہاں۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ آپ۔۔۔!“

”ہاں بھئی یقین کرو کہ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد فریدی اور شنکر بے نیل و مرام گھر کی طرف لوٹ رہے تھے۔

لاشوں کا راز

فریدی اور شنکر گھر پہنچے۔ وہ آدمی بیدار ضرور ہو گیا تھا لیکن اُس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اُسے ہوش میں کہا جا سکتا۔ اُس کے بیدار ہوتے ہی حمید کو بڑی دقّتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر چند نوکر بھی اُس کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ اُسے کسی طرح نہ روک پاتا کیونکہ اُس نے اُٹھ اُٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ آخر تنگ آکر نوکروں کی مدد سے اسے صوفے میں جکڑ دیا تھا۔

جس وقت فریدی اور شنکر گھر میں داخل ہوئے وہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔

”میں سوچ سکتا ہوں۔۔۔!“ وہ وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔ ”اسپینی رقاصہ کی طرح۔۔۔ میں نے سیکھ لیا ہے۔۔۔ چچا نے مجھے سب کچھ سکھا دیا۔۔۔ ہا ہاہا۔“

”تم نے دیکھا؟“ فریدی شنکر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”تم کہہ رہے تھے کہ اِس سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔۔۔ اور میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ ہوش آنے کے بعد بھی ہوش میں نہ ہو گا۔“

”آخر یہ سب ہے کیا؟“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”خواہ مخواہ ایک خبطی آدمی کو پکڑ لائے اور میرے سر منڈھ دیا۔“

”دھیرج۔۔۔ دھیرج۔۔۔ برخوردار۔۔۔!“ فریدی نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ پھر شنکر سے بولا۔ ”میٹرو میں آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ میں آگیا۔“

شنکر اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

”وہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم ابھی دوبارہ میٹرو میں واپس آئیں گے

کیونکہ وہ اس کی جیب سے تصویر اور خط نہیں نکال پائے تھے۔ انہوں نے تُم کو بھی ہمارے ساتھ دیکھا اور یقین کر لیا کہ تم اِس تصویر کو دیکھ کر ہم لوگوں کے متعلّق ضرور بتاؤ گے۔ یا پھر ممکن ہے کہ انہوں نے تمہیں بھی جاسوس سمجھا ہو۔ ہاں تو انہوں نے میٹرو میں اس لیے آگ لگائی کہ ہمیں اس میں اُلجھا کر اپنے اس آدمی کو نکال لے جائیں جسے ہم نے تھانے میں بند کروا دیا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔"

"مگر۔۔۔ مگر۔۔۔" شنکر بے صبری سے صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کون ہے؟"

"ایک مظلوم۔۔۔!" فریدی نے جواب دیا۔ "اگر یہ ہمارے ہاتھ اتّفاق سے نہ لگ جاتا تو کل اس کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی ہمیں مِرگی اور ہارٹ فیل وغیرہ کی کہانی سُناتی۔"

"اوہ۔۔۔ لیکن آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا؟" حمید جلدی سے بولا۔

”اپنی معلومات کی بناء پر۔“ فریدی بولا۔ ”اچھا بتاؤ یہ ہوٹل میں چیخ چیخ کر کیا کہہ رہا تھا؟“

حمید سوچنے لگا۔ صوفے میں بندھا ہوا آدمی کافی دیر تک چیختے رہنے کے بعد نڈھال ہو کر اونگھنے لگا تھا۔ ”میرے خیال میں یہ سُرخ سُرخ کی رَٹ لگائے ہوئے تھا۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”ٹھیک۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”اس زہر کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ اس کے شکار کو جب تک وہ زندہ رہتا ہے ہر چیز سُرخ دکھائی دیتی ہے۔“

”زہر۔۔۔!“ حمید تقریباً اچھل کر بولا۔

”ہاں زہر۔۔۔ اور یہ اپنی قسم کا واحد زہر ہے۔ تم نے دوسرے زہروں کے متعلّق سُنا ہو گا کہ اگر زہر کھائے ہوئے آدمی کو فوراً قے ہو جائے تو اُس کے بچ جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن اِس زہر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قے ہوتے ہی آدمی مر جاتا ہے اور اگر کسی طرح قے روک دی جائے تو

پھر نہیں مرتا۔ لیکن زندگی بےکار ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے الف لیلیٰ میں ایک کہانی اس قسم کی پڑھی تھی۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم احمق ہو۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"میں ابھی آیا۔۔۔!" فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ لوٹ کر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کی چمڑے کی کرم خوردہ جلد بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانی ہے۔ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر بہت احتیاط سے اس کے ورق اُلٹنے لگا۔

"اس کتاب کا نام ہے۔۔۔ 'افریقہ کے کُچھ راز" یہ دراصل گلبرٹ نامی ایک پادری کی ڈائری ہے جو اٹھارویں صدی میں افریقہ کی سیاحت کر رہا تھا۔" فریدی نے کتاب کے کچھ مخصوص صفحات پر روشنائی سے نشانات لگائے ہوئے تھے

کھولتے ہوئے کہا۔

شنکر اور حمید خاموشی سے سُن رہے تھے۔ فریدی نے پڑھنا شروع کر دیا۔

"وہ جس نے مریم کے جسد میں اپنی روح پھونک دی، وہ جس نے اپنے بیٹے کو ظالموں سے رہائی دلا کر اپنے پاس آسمان پر بُلا لیا۔ وہ جو حشر کے دِن ہماری پیشانیوں پر اپنے بیٹے کی غلامی کا داغ دیکھے گا۔۔۔ اس کی عظمت۔۔۔ اور اس کی بزرگی کا احساس افریقہ کے پُراسرار جنگلوں میں ہوتا ہے۔۔۔ ہم دشوار گذار راستے طے کر کے ایسی جگہ پہنچے ہیں جہاں زولو قوم بستی ہے۔ ہمارے پاس کوسامبی کی نشانی تھی۔ کوسامبی۔۔۔ موبوٹو قبیلے کا سردار ہے۔ میں نے اسے کالے بخار سے نجات دلائی تھی۔ اس نے خوش ہو کر مُجھے اپنی نشانی دی تھی اور نشانی کا احترام کرنے والے مجھے اس علاقے میں ہر جگہ نظر آئے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ کوسامبی اس کے سب سے بڑے دیوتا سُرخ بندر کی اولاد ہے۔ وہ اس سے اس طرح خوف کھاتے ہیں جیسے اپنے دیوتا سے۔ ہم لوگ زولو قوم کے افراد میں اس وقت پہنچے جب وہ اپنا سب سے بڑا تہوار منانے کی تیّاریاں کر رہے

تھے۔

ہمیں بھی اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی، ہم اس جگہ پہنچے جہاں تہوار منایا جانے والا تھا۔ یہاں ایک بہت بڑا بُت رکھا ہوا تھا جس کے پیروں کے پاس تقریباً پندرہ گز کے رقبے میں آگ روشن تھی۔

بہت سے نیم عریاں مرد اور عورتیں دائرہ بنا کر اس کے گرد اُچھل کود رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قوم کا سردار ایک تخت پر نمودار ہوا۔ جسے کُچھ لوگ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سردار کے سامنے تخت پر ایک آدمی رسیوں سے جکڑا ہوا پڑا تھا۔ یہ اس قوم کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ غالباً یہ کوئی قیدی تھا۔ آگ کے گرد خاموشی سے اچھلنے کودنے والوں میں سے ایک نے بُلند آواز میں کچھ کہا اور وہ لوگ چیخ چیخ کر گانے لگے۔ بقیہ لوگ سجدوں میں گر گئے۔ ڈھول بُری طرح پیٹے جا رہے تھے۔ ناچنے والوں میں وحشیانہ پن آ چلا تھا۔ دفعتاً سردار نے اپنے سامنے رکھا ہوا ایک سینگ اٹھا کر ہونٹوں میں دبایا اور اُسے پوری طاقت کے ساتھ پھونکنے لگا۔ اس سینگ سے نکلنے والی آواز کسی بد روح کی آواز سے

مشابہ تھی۔ یہ آواز سُنتے ہی سنّاٹا چھا گیا۔ سجدوں میں پڑے ہوئے لوگ اُٹھ کر دو زانو ہو گئے۔ آگ کے گرد ناچنے والے دائرے بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ناچنے والوں میں ایک آدمی جو شاید پروہت تھا آگے بڑھا اور اس نے بُت کے قدموں کے پاس سے ایک کلہاڑی اُٹھائی اور اسے بوسہ دیا۔ اور دونوں ہاتھوں پر اُٹھا کر سردار کے سامنے لایا۔ سردار تخت سے اترا اور پروہت کے سامنے ایک گھٹنا ٹیک کر کلہاڑی کو بوسہ دینے لگا اور پھر وہ کلہاڑی پروہت سے لے کر اس طرح تان کر کھڑا ہو گیا جیسے وہ کسی پر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ پروہت نے سجدے میں گِر کر سردار کے دونوں پیر چومے اور پھر آگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

سردار تھوڑی دیر تک کلہاڑی تانے اور آنکھیں بند کیے کھڑا رہا۔۔ پھر دفعتاً اس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور کلہاڑی کو نچا نچا کر اچھلنے کودنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کُچھ گاتا بھی جا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی اس کے قریب آ گئے۔۔۔ جو آگ کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ وہ سردار کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگے، سردار رک رک کر کچھ کہتا جا رہا تھا جسے یہ ناچنے والے دہراتے تھے۔

اسی دوران میں چند آدمی اس بندھے ہوئے آدمی کو جو تخت پر پڑا تھا لکڑی کے ایک پیالے میں بھری ہوئی کوئی چیز پلانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس آدمی کے رویّے سے معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے وہ اُسے نہیں پینا چاہتا۔ آخر ان لوگوں نے اسے بالکل بے بس کر کے زبردستی وہ سیّال شے اس کے حلق میں انڈیلنی شروع کی۔

پھر اس کی رسّیاں کھول دی گئیں اور وہ بیٹھ کر جھومنے لگا۔ دو تین آدمی اسے اٹھا کر اُس جگہ لائے جہاں سردار کے گرد ناچ ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے بھی انہیں کی بھیڑ میں دھکیل دیا۔ ناچنے والوں کی چیخیں پہلے سے بھی زیادہ ہو گئیں۔ وہ شخص بھی انہیں کے ساتھ مل کر اچھلنے کودنے لگا۔ ناچ کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جارہی تھی۔ دفعتاً قیدی کو ایک بڑی سی قے ہوئی اور وہ گر پڑا۔ ناچنے والوں نے اُچھل اُچھل کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ گرنے والا تھوڑی دیر تک تڑپتا رہا پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

چند آدمیوں نے اس کی لاش اُٹھائی اور دیوتا کے گرد چکر لگانے لگے اور۔۔۔ پھر (خدا ان پر اپنا قہر نازل کرے) انہوں نے اُسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔

میں نے اور میرے سفید فام ساتھیوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

ہم لوگ وہاں سے اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔ ہمارے سیاہ فام رہبر پو مپی نے جس کے سیاہ سینے میں ایک نورانی دِل ہے جس پر خُدا کے بیٹے نے اپنی رحمتیں نازل کی ہیں ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں ہمیں بتایا کہ اب وہ لوگ اُسے بھون کر کھا جائیں گے۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے ایک طرح کا زہر پلایا گیا تھا۔ اس کی اس نے جو خاصیت بتائی وہ عجیب وغریب تھی۔ یہ شمیتی جو ایک قسم کی گھاس ہے، سے نکالا جاتا ہے، زہر نکالنے کا طریقہ اس نے قریب قریب وہی بتایا جو ہمارے یہاں کسی چیز کی شراب کشیدہ کرنے کے سلسلے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اسے پی کر آدمی مدہوش ہو جاتا ہے اور اس وقت جس چیز کی طرف بھی اس کا ذہن مائل ہو جاتا ہے، وہی کرنے لگتا ہے، اور اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اسے قے نہیں ہو جاتی اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُسے اچھلنے کودنے پر مجبور کیا جائے۔

اور ایک بات جو اس نے بتائی۔۔۔ وہ یہ تھی قے ہو جانے کے بعد اس زہر کا ذرہ برابر اثر جسم میں نہیں رہ جاتا اور یہ وحشی لوگ بغیر کسی خوف کے اس کا گوشت کھا جاتے ہیں۔ یہ ان کے یہاں کی ایک مذہبی رسم ہے جس کے لیے وہ ہمیشہ کسی دوسری قوم کے آدمی کو پکڑتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے آدمیوں کو کچھ دیر کے لیے مرنے سے روک بھی دیتے ہیں۔ یہ عموماً ایسے ہی موقعوں پر ہوتا ہے جب انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اس ضمن کی کسی رسم کو ٹھیک طرح پر ادا نہیں کر پائے، وہ اسے لیموں کا عرق پلا کر قے کرنے سے روک دیتے ہیں اور اس رسم کو باقاعدہ طور پر دہرانے کے بعد اسے پھر زہر پلایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ اُن کا شکار لیموں کا عرق پی چکنے کے بعد اُن کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، لیکن پھر وہ زندگی بھر صحیح الدّماغ نہیں ہو سکا۔ اس سلسلے میں ایک اور بات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا وہ یہ کہ اس زہر کے پینے والے کو ہر چیز سُرخ دکھائی دیتی ہے۔"

"اُف میرے خدا۔" حمید نے کہا اور صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف

دیکھنے لگا جو شاید نقاہت کی وجہ سے سو گیا تھا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان لاشوں کو میرے پھاٹک پر ڈلوا دینے کا کیا مقصد تھا؟" فریدی نے کہا۔ "جو لوگ زہر دینے میں اتنی احتیاط برت رہے ہیں وہ مجھے خواہ مخواہ کیوں چیلنج کرنے لگے؟ اگر واقعی یہ چیلنج ہے تو بڑی عجیب بات ہے کیونکہ میں نے آج تک یہ نہیں سُنا کہ کبھی کسی مجرم نے کسی سُراغ رساں کو چیلنج کیا ہو۔"

"واقعی عجیب بات ہے۔" شنکر بولا۔

"بہر حال یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ اس لڑکی کی تصویر کا ہمارے ہاتھ لگ جانا اُن کے لیے موت کا پیغام ثابت ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"ایسا نہ سوچو میاں حمید۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "اس بار بڑے خطرناک لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔"

"اور مُجھے بھی کہنے دیجیے کہ وہ لوگ بھی بڑے خطرناک آدمی کے جال میں

پھنس گئے ہیں۔ کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے ؟"شنکر ہنس کر بولا۔

"نہیں۔۔۔ میں کوئی ایسا خطرناک آدمی تو نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور شنکر ہنسنے لگا۔

"اور پروفیسر جاوید صاحب۔۔۔" فریدی شنکر کو مخاطب کر کے بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی محبوبہ بھی اس گروہ میں شامل نہ ہو۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ کسی سلسلے میں اس کی تصویر میری نظروں سے گذر چکی ہے۔"

"اللہ کرم کیجیے گا۔۔۔ اس غریب کے حال پر۔۔۔"شنکر نے کہا۔

"یہ کس محبوبہ کا تذکرہ ہے ؟"حمید نے بے صبری سے پوچھا۔

"آپ سے مطلب۔۔۔!" فریدی نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔۔۔غالباً یہ اس رقاصہ کا تذکرہ ہے۔"حمید نے کہا۔

"تو پھر۔۔۔!"

"کچھ نہیں۔۔۔صاحب آخر اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے؟"حمید بولا۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔اس بار خود میں تمہیں عشق کرنے پر مجبور کروں گا۔"

"کس سے۔۔۔؟"حمید جلدی سے بولا۔

فریدی نے لڑکی کی تصویر حمید کی طرف بڑھادی۔

"بس معاف رکھیے جناب۔۔۔میری جان فالتو نہیں ہے۔"حمید نے گھبرا کر کہا۔

شنکر اور فریدی ہنسنے لگے۔

"تو میں اب چلوں۔"شنکر نے کہا۔

"کہاں۔۔۔؟"

"ہوٹل۔۔۔!"

”ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔ وہ لوگ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔“ فریدی نے کہا۔

”خیر۔۔۔ میرے کئی اور بھی ٹھکانے ہیں۔“شنکر نے کہا اور دونوں سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

”اب اس کے لیے کیا کِیا جائے؟“حمید نے سوتے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”تہہ خانہ۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بڑی دشواری ہو گی۔“

”مگر آپ اِس سے کیا معلوم کر سکیں گے جب کہ اس کا دماغ ہمیشہ کے لیے خراب ہو چکا ہے؟“

”ابھی ایک اُمّید باقی ہے۔“

”کیا۔۔۔؟“

”ذہنی امراض کا ماہر ڈاکٹر شوکت۔“

”اوہ ٹھیک۔۔۔!“حمید کچھ دیر رُک کر بولا۔”مگر مجھے تو اُمّید نہیں۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔۔۔فی الحال اسے تہہ خانہ میں منتقل کر دینا چاہیے۔ صُبح اٹھ کر نوکروں کے سامنے اس طرح بدحواسی ظاہر کریں گے جیسے وہ رات ہی میں کسی طرح آزاد ہو کر بھاگ گیا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔”اس میں گہری رازداری کی ضرورت ہے۔ جس طرح وہ لوگ تھانے سے اپنے آدمی کو نکال لے گئے اسی طرح اس کا نکالے جانا بھی ان کے لیے ناممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ نوکروں کو کسی طرح دھوکہ دے کر اسے اُڑا لے جائیں۔ اس لیے نوکروں کو اس سے لاعلم ہی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔“حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

دونوں نے مل کر سوئے ہوئے آدمی کو جو اب جاگ پڑا تھا تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا۔ اس نے چیخنے چلانے کی کوشش کی، لیکن فریدی نے اس کا منہ بڑی بے دردی سے بند کر دیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کار پر بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔

ایک دلچسپ حادثہ

دوسرے دِن صُبح سات بجے کے قریب فریدی گھر واپس آیا۔ حمید بستر پر پڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُچھل پڑا۔

"لیجیے جناب۔۔۔ اب ہم لوگ بھی اُلّو بنائے جانے لگے۔" حمید نے اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فی الحال اس خبر کو ملاحظہ فرمایئے۔"

شہر کی پولیس سو رہی ہے

"۳ دسمبر اطلاع ملی ہے کہ شہر کا مشہور بدمعاش شنکر، جو رائے بہادر کالی چرن کی

بیوی کو بھگا لے گیا اور چائنہ بینک آف کلکتہ کی ڈکیتی میں بھی جس کا ہاتھ تھا آج کل شہر میں پروفیسر جاوید کے بھیس میں آزادی سے گھومتا پھر رہا ہے۔ یہاں کی پولیس میں اتنی ہمّت نہیں کہ اُسے پکڑ سکے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہاں کا محکمہ سُراغ رسانی اچھی طرح کام نہ کر رہا ہو تو اس شہر کے باشندوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی۔"

اس خبر کے نیچے پروفیسر جاوید کا پورا پورا حلیہ لکھا ہوا تھا اور یہ خبر کراؤن نیوز ایجنسی کی تھی۔

"دیکھا جناب۔۔۔ ہم لوگ کتنی آسانی سے دھوکہ کھا گئے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "آپ سے اس کی جان پہچان کب سے تھی؟"

"بکو مت۔۔۔!" فریدی درشت لہجے میں بولا۔ "ایک بڑے کام کا آدمی ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ بھی بدمعاشوں کی ایک چال ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

”میں جانتا تھا کہ وہ شنکر ہے۔“

”اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ قاتلوں کی ٹولی سے تعلّق رکھتا ہے؟“حمید نے کہا۔

”یہ غلط ہے۔۔۔اس کا اس کیس سے کوئی تعلّق نہیں۔“فریدی نے جواب دیا۔

”میں نہیں سمجھا؟“

”تم کبھی نہیں سمجھو گے۔“فریدی نے کہا اور اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

اس کی کار کراؤن نیوز ایجنسی کے دفتر کی طرف تیزی سے بھاگی جارہی تھی۔

وہ سیدھا نمائندے کے کمرے میں چلا گیا۔ یہاں پولیس کے دو تین آفیسر پہلے ہی سے موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر انھوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

”میں جانتا ہوں کہ یہ خبر آپ کو کہاں سے ملی۔“ فریدی نے نیوز ایجنسی کے نمائندے کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جناب والا میں تنگ آگیا ہوں اس سوال کا جواب دیتے دیتے۔۔۔ ایک بار پھر

عرض کرتا ہوں کہ یہ خبر ہمارے یہاں سے ہر گز نہیں گئی۔"

"تو کیا ہوا۔۔۔ آخر آپ کو کیوں پریشانی ہے؟" ایک سرکل انسپکٹر فریدی سے بولا۔ "اس میں تو آپ کے محکمے کی کافی تعریف ہے۔" فریدی نے اس کے جملے میں طنز کی تلخی محسوس کی لیکن کچھ نہیں بولا۔

"بہرحال آپ کو اس کے لیے ثبوت بہم پہنچانا پڑے گا کہ یہ خبر آپ کے یہاں سے نہیں گئی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ پولیس میری ایجنسی پر توہین کا مقدمہ چلائے گی، لہٰذا میں عدالت میں ہی ثبوت وغیرہ پیش کروں گا۔" نمائندے نے کہا اور قلم اُٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔

فریدی وہاں سے مارننگ اسٹار کے دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔

ایڈیٹر نے اُسے بتایا کہ اسے کراؤن نیوز ایجنسی کے نمائندے کے دفتر سے یہ خبر ملی اور اس نے چھاپ دی۔ فریدی نے لاکھ کوشش کی کہ خبر دینے والے کے

متعلّق معلوم کر سکے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ تھک ہار کر واپس چلا آیا۔ اسے افسوس تھا کہ ایک ایسا شخص ہاتھ سے نکل گیا کہ جو قاتلوں کو پہچانتا تھا۔ اس کی ساری اسکیم فیل ہو کر رہ گئی تھی۔

گھر پہنچ کر وہ بہت دیر تک غور و فکر میں مبتلا رہا۔ آخر کار اس نے یہی طے کیا کہ سب سے پہلے شنکر کو تلاش کرے۔

اس نے ایک ایک کر کے سارے مقامات چھان مارے جہاں شنکر کے ملنے کے امکانات تھے لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار اس نے کار کا رُخ شہر کی طرف موڑ دیا۔ اس وقت شہر کے باہر ایک سنسان سڑک سے گزرتے ہوئے وہ اپنی کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل کی آواز سُن رہا تھا۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔۔۔ کار کے پیچھے کافی فاصلے پر ایک شخص اپنی آنکھوں پر بڑے شیشوں کا سیاہ چشمہ لگائے موٹر سائیکل پر چلا آ رہا تھا۔ فریدی کا اس طرح مُڑنا محض اتّفاقیہ تھا۔ اس نے اُسے کوئی اہمیّت نہ دی اور خیالات میں ڈوب گیا۔ موٹر سائیکل اور کار کا فاصلہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ دفعتاً موٹر سائیکل والے نے جیب سے ریوالور نکال

کر کار کے پچھلے پہیّوں پر فائر کرنا شروع کر دیئے۔ فریدی نے کار روک دی۔ دونوں پہیّے بے کار ہو چکے تھے۔ اتنے میں موٹر سائیکل والا ریوالور تانے ہوئے کار کے برابر پہنچ گیا۔ قبل اس کے کہ فریدی اپنا ریوالور نکالتا نووارد نے اپنے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔

"خبر دار۔۔۔ ہاتھ اُوپر اٹھاؤ۔" نووارد گرج کر بولا۔

"اوہ شنکر۔۔۔!" فریدی ہاتھ اُوپر اٹھاتے ہوئے پر اطمینان لہجے میں بولا۔ "مُجھے تم سے اسی کی توقع تھی۔"

"بکو مت۔۔۔ تم نے میرے ساتھ دغا بازی کی ہے اور میں بھی کتنا احمق تھا کہ تمہارے فریب میں آ گیا۔۔۔ مگر۔۔۔ خیر۔۔۔!"

"میں اسی لیے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا کہ تمہاری غلط فہمی دور کر دوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھے۔۔۔" شنکر نے قہقہہ لگایا۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں پھر تمہارے دھوکے

میں آجاؤں گا؟“

”مجھے کچھ کہنے بھی دو۔“

”کہو گے کیا؟ مُجھے اس کا افسوس ہے کہ آج مجھ سے پہلا قتل سرزد ہوا جا رہا ہے۔“

فریدی مُسکرانے لگا۔

”خیر مرنے سے پہلے مجھے کم از کم ایک سگار تو سلگا ہی لینے دو۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”بس۔۔۔بس۔۔۔ہاتھ اُوپر ہی رکھو ورنہ۔“

”ورنہ کیا کرلوگے تم۔۔۔!“ فریدی نے دفعتاً اسے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ شنکر جھجک پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور والا ہاتھ فریدی کی آہنی گرفت میں تھا۔ شنکر نے فائر کرنے شروع کیے۔۔۔ ایک۔۔۔ دو۔۔۔ اور کار کی کھڑکیوں کے دو شیشے چکنا چور ہو گئے۔ تیسرا فائر لیکن بقیہ کارتوس تو وہ کار کے

پہیّوں پر پہلے ہی ضائع کر چکا تھا۔ شنکر کے سُرخ و سپید چہرے پر سیاہی دوڑ گئی۔ فریدی اسے دھکا دے کر کار سے نکل آیا۔ اس نے اس کا ریوالور چھین لیا تھا۔ شنکر کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

"یہ لو۔۔۔۔!" فریدی نے خالی ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں دوسری گولیاں بھر کر پھر سے کوشش کرو۔ احمق کہیں کے۔۔۔ تم نے یہ نہ سوچا کہ اگر مُجھے تمہیں گرفتار ہی کرانا مقصود تھا تو یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں کسی وقت بھی تمہیں پکڑ سکتا تھا۔شاید تمہیں بھی خبر کے اس حصّے کو پڑھ کر غلط فہمی ہوئی ہے، جہاں محکمہ سُراغ رسانی کو سراہا گیا ہے۔"

شنکر خاموش ہی رہا۔

"یہ بھی مجرموں کی ایک چال تھی۔" فریدی پھر بولا۔ "وہ اس طرح مُجھے اور تمہیں اُلجھا کر خود اطمینان سے اپنا کام کرنا چاہتے ہیں اور اگر میں تمہیں گرفتار ہی

کرانا چاہتا ہوں تو اس وقت بھی تم میرے قابو میں ہو۔"

فریدی نے ریوالور شنکر کی جیب میں ڈال دیا۔

"مگر۔۔۔ مگر۔۔۔!" شنکر ہکلایا۔

"مگر یہ کہ تم نے خواہ مخواہ میری کار کا ستیاناس کر دیا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔" شنکر نے مُضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔

"تم سب کچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ شُبہ کرنا چھوڑ دو۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو کسی بڑی مُصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"تو کیا میں یہاں سے چلا جاؤں؟"

"قطعی نہیں۔۔۔ تم میرے مہمان بن کر میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔"

"اگر کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا؟"

”یہ مجھ پر چھوڑ دو۔“

”لیکن یہ سب آخر کیوں؟“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔“

شنکر خاموش ہو گیا۔

”اس کے بعد جہاں دِل چاہے چلے جانا۔“

”ہوں۔۔۔!“ شنکر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”اور تم یہ اطمینان رکھو کہ فی الحال تمہارا کیس پولیس ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ کیونکہ اس خبر نے محکمہ پولیس کو خاص طور پر محکمہ سُراغ رسانی کی طرف سے ضد دلا دی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ پولیس تمہیں گرفتار نہیں کر سکتی۔“

”میں نے فی الحال اپنے رہنے کا انتظام کر لیا ہے۔“ شنکر نے کہا۔ ”لیکن آپ یہ بتائیے کہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟“

"پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی کا سُراغ۔۔۔!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر نصیر میٹرو ہی میں مقیم ہے۔" شنکر نے کہا۔

"میٹرو میں؟" فریدی متعجّبانہ انداز میں بولا۔

تین جھوٹے

فریدی نے شنکر کی مدد سے اپنی کار کے پہیے تبدیل کیے اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ ابھی تک میٹرو میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس بار واقعی بہت دلیر قسم کے مجرموں سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔ وہ طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا ہوا گھر پہنچا۔ ابھی اس نے بر آمدے ہی میں قدم رکھا تھا کہ اسے ڈرائنگ روم میں کسی عورت کا قہقہہ سنائی دیا۔ جو اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ فریدی ڈرائنگ روم کی طرف لپکا۔

وہ دروازے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ یہ تو وہی تھی۔ تصویر والی پُراسرار لڑکی اور

اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا مرد بھی تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا میں فریدی صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں؟" مرد بولا۔

"جی ہاں۔۔۔ فرمایئے۔"

مرد نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا۔

"تشریف رکھیے۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ دونوں بیٹھ گئے۔

"فرمایئے کیسے تکلیف کی؟" فریدی مرد سے کہہ کر لڑکی کو گھورنے لگا۔ لڑکی نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"ایک لمبی کہانی ہے۔" مرد نے کہا۔ "لوگ مجھے پروفیسر نصیر کہتے ہیں اور یہ میری بھتیجی رقیہ ہے۔"

"اب دوسرا پروفیسر۔۔۔!" فریدی زیرِ لب بڑبڑایا۔

"جی۔۔۔؟" نصیر چونک کر بولا۔ "کیا میرا آنا ناگوار گذر رہا ہے آپ کو؟"

"قطعی نہیں۔۔۔!" فریدی نے خوش اخلاق بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجیے گا۔۔۔ میں ایک دوسری بات سوچ رہا تھا۔"

"خیر۔۔۔!" نصیر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں ایک مُصیبت میں پھنس گیا ہوں، کیا آپ میری مدد کریں گے؟"

"اس مصیبت کی نوعیت معلوم کیے بغیر میں بھلا کیونکر وعدہ کر سکتا ہوں؟"

"کوئی نامعلوم شخص بُری طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ کل رات اس نے میرے کمرے میں جو میں نے میٹرو میں لے رکھا ہے، آگ لگادی۔۔۔ میں آپ سے کیا عرض کروں کہ میرا کتنا نقصان ہوا۔"

"یہ تو بالکل سیدھا سادا معاملہ ہے۔۔۔ آپ نے کوتوالی میں اس کی رپورٹ کی یا نہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں کر تو دی ہے، لیکن میں یہاں کی پولیس کے بارے میں کوئی اچھی رائے

نہیں رکھتا۔" نصیر نے کہا۔

"میرے خیال سے آپ غَلَطی پر ہیں۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے۔۔۔!" نصیر نے کہا۔ "تو کیا آپ میری مدد نہ کریں گے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں آپ کی مدد کیسے کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ لوگ ضرور مجھے ایک معاملے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"ہم لوگ۔۔۔؟" نصیر چونک کر بولا۔ "بھلا وہ کیسے؟"

"کل رات ایک آدمی نے میرے سرکاری کاغذات کا فائل پھاڑ ڈالا اور ایک سونے کی گھڑی چرا لے گیا۔۔۔ اسے رقیہ صاحبہ اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"میں۔۔۔!" رقیہ تقریباً اچھلتے ہوئے بولی۔

"جی ہاں۔۔۔!" فریدی نے جیب سے تصویر اور خط نکالتے ہوئے کہا۔ "اس کے ثبوت میں میرے پاس یہ چیزیں ہیں۔"

فریدی نے تصویر اور خط رقیہ کی طرف بڑھا دیئے۔

رقیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"یہ خط میں نے ساجد کو لکھا تھا اور تصویر بھی اسی کے پاس تھی۔ یہ آپ تک کیسے پہنچی؟ کل میں نے اُسے ہوٹل میں بُلایا تھا لیکن پھر کسی وجہ سے میں اس کا انتظار نہ کر سکی اور اس کے نام ایک معذرت نامہ لکھ کر مینجر کے پاس چھوڑ گئی تھی۔"

"جی ہاں۔۔۔ ہم لوگوں کو ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا اور ہمیں اسی سلسلہ میں ہوٹل سے باہر آنا پڑا۔۔۔ اور واپسی پر میں نے اپنے کمرے کو خاک کا ڈھیر پایا۔"

"کیا آپ براہِ مہربانی یہ بتائیں گے کہ یہ تصویر اور خط آپ تک کس طرح پہنچے؟" لڑکی بے چینی سے بولی۔

"جی ہاں۔۔۔!" فریدی بولا۔ "کل رات کو میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ میٹرو میں کھانا کھا رہا تھا۔ دفعتاً ایک شریف صورت نوجوان نشے میں لڑکھڑاتا ہوا نظر آیا۔ ایک دوسرا شخص اس کے ساتھ زیادتیاں کر رہا تھا۔ میں نے تعرض کیا تو وہ

مجھ سے اکڑ گیا۔ میں نے اُسے پولیس کے حوالے کیا اور ازراہِ ہمدردی اس نوجوان کو اپنے ساتھ گھر لیتا آیا کیونکہ وہ بُری طرح مدہوش تھا۔ میں نے سوچا کہ ہوش میں آنے کے بعد اس سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کر کے بجھوا دوں گا۔ وہ صورت سے بے حد شریف معلوم ہوتا تھا اور شاید اس نے پہلی بار پی تھی۔"

"ساجد۔۔۔ ساجد تو کبھی نہیں پیتا تھا۔" لڑکی نے کہا۔ "آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔"

"میں نے گھر لا کر اسے احتیاط سے لِٹا دیا کیونکہ وہ راستے میں بالکل بے ہوش ہو گیا تھا۔ ہم لوگ اسے کمرے میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھے کیونکہ اس کی حالت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صُبح سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں اپنی گھڑی اسی کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔ مُجھے وقت دیکھنا تھا اس لیے میں اس کمرے میں گیا۔ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے کمرے کو خالی پایا۔ میرے بہت سے سرکاری کاغذات کے ٹکڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور گھڑی میز سے غائب تھی۔ ہم نے

اسے تلاش کرنا شروع کیا لیکن بے سود۔ گھڑی کی تو خیر کوئی ایسی پریشانی نہ تھی، لیکن سرکاری کاغذات۔۔۔ اس نے مُجھے بڑی مشکل میں پھنسا دیا۔ ہاں تو تھوڑی دیر بعد جب عقل ٹھکانے آئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنا کوٹ لے جانا بھی بھول گیا ہے اور اس کے جوتے بھی وہیں پڑے ہوئے تھے۔ اسی کوٹ کی اندرونی جیب میں آپ کی تصویر اور خط بھی بر آمد ہوئے۔ اتّفاق سے اس وقت میرے ایک دوست پروفیسر جاوید جنہیں اب دُشمن ہی کہنا مناسب ہو گا موجود تھے۔ انہوں نے تصویر دیکھتے ہی آپ دونوں کا نام لیا۔ ہم لوگ فوراً ہی آپ سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے اور اس وقت پہنچے جب کہ آپ کا کمرہ شعلوں میں گِھرا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں تھوڑی دیر لگ گئی۔ اس کے بعد ہم نے سوچا کہ اس آدمی سے چل کر سوالات کیے جائیں جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کوئی شخص میرے بھیس میں اُسے بھی نکال لے گیا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ رقیہ اور نصیر حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”مجھے اس کا صرف ایک مقصد معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”میرے کاغذات کا پھاڑنا جن کی عدم موجودگی میں مَیں مُصیبتوں میں پھنس سکتا ہوں۔ یہ ایک اچھی خاصی سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی ہے۔ وہ شخص جو اسے تنگ کر رہا تھا اسی کا آدمی تھا، وہ اس طرح اسے میرے گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ شخص کاغذات پھاڑنے کے بعد دیدہ دانستہ اپنا کوٹ چھوڑ گیا۔ تاکہ ہم لوگ اس میں سے تصویر اور خط پانے کے بعد آپ لوگوں سے ملنے جائیں اور پھر بدمعاشوں نے آپ کے کمرے میں آگ لگا دی تاکہ ہم لوگ وہاں کچھ دیر اور ٹھہریں اور وہ اپنے ہی آدمی کو آسانی سے رہا کرا سکیں، جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا اور ان کا ایک گرگا پروفیسر جاوید شروع سے آخر تک ہمیں دھوکا دیتا رہا۔“

”پروفیسر جاوید؟“ لڑکی نے حیرت سے کہا۔ ”مگر ابھی تو آپ ان کا تذکرہ اپنے دوست کی حیثیت سے کر چکے ہیں۔“

”جی ہاں۔۔۔ میری اور اس کی ملاقات کل دِن میں ہوئی تھی۔ ہم دونوں چند ہی گھنٹوں میں گہرے دوست بن گئے اور اسی نے مُجھے اور میرے اسسٹنٹ کو میٹرو

میں مدعو کیا تھا۔"

"لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بھی بدمعاشوں کا ساتھی ہے؟" نصیر نے کہا۔

"ارے آپ ساتھی کہتے ہیں، وہ خود ایک بہت بڑا بدمعاش ثابت ہوا۔۔۔ کیا آپ نے آج کا اخبار نہیں پڑھا جس میں یہاں کی پولیس کی نااہلی کی ایک داستان چھپی تھی؟"

"اوہ۔۔۔!" نصیر اچھل کر بولا۔ "ارے وہی پروفیسر جاوید۔۔۔ اور اس کا اصلی نام کیا تھا؟ میں بھول گیا۔۔۔ مادھو۔۔۔ یا کیا۔۔۔؟"

"جی نہیں شنکر۔۔۔!" فریدی بولا۔

"شنکر۔۔۔ شنکر۔۔۔!" نصیر نے کہا اور اپنی بھتیجی کو کڑی اور تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

"اگر آپ میری تھوڑی سی مدد کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ شخص بھی گرفتار ہو جائے گا جس نے آپ کا کمرہ جلایا تھا۔"

”دیکھا تم نے اپنی حماقت کا انجام!“ نصیر اپنی بھتیجی کو مخاطب کر کے ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ ”میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ ساجد اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ لوگوں کی ظاہری صورت پر نہ جانا چاہیے۔ میری ہزاروں روپے کی کتابیں جل کر رہ گئیں، محض تمہاری حماقت کی وجہ سے۔“

رقیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”ارے۔۔۔ ارے۔“ فریدی بولا۔ ”رہنے بھی دیجیے پروفیسر صاحب۔ آدمی ہی سے غَلَطی ہوتی ہے۔ اب رونا فضول ہے، جو ہونا تھا ہو چکا۔ ان سب باتوں سے آپ کے نقصانات کی تلافی نہیں ہو سکتی۔“

فریدی نے رقیہ کی طرف اپنا رومال بڑھا دیا۔ رقیہ رومال لے کر آنسو پونچھنے لگی۔

”اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا تھا۔“ فریدی نے رقیہ سے کہا۔

فرمایئے۔“ رقیہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

”ساجد کون ہے؟“

”میرا ایک دوست ہے۔“

”آپ کب سے اسے جانتی ہیں؟“

”ایک ماہ کا عرصہ ہوا۔۔۔وہ مجھے میٹرو میں ہی ملا تھا۔“

”اُس کے گھر کا پتہ آپ کو معلوم ہے؟“

”جی ہاں۔۔۔ نمبر ۳۰۳ پیٹر روڈ۔“

”اس کے ساتھ اور کون رہتا ہے؟“

”میں نے اُسے وہاں تنہا ہی دیکھا تھا۔“

”وہ کرتا کیا ہے؟“

”مصوّر ہے۔“

”میرا مطلب ذریعۂ آمدنی سے ہے۔“

”مصوّری۔“

”تب تو یقیناً وہ غربت ہی میں زندگی بسر کرتا ہو گا۔“

”نہیں ایسا تو نہیں، اس کا بنگلہ نہایت شاندار ہے۔“

”تعجّب ہے۔۔۔ یہاں کے آرٹسٹوں کو تو میں نے بھوکوں ہی مرتے دیکھا ہے۔“

”بہر حال وہ کسی طرح بھی غریب نہیں معلوم ہوتا۔“

”آپ کتنی بار اس کے گھر گئی ہیں؟“

”صرف ایک بار۔“

”اس کے چال چلن کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتی ہیں؟“

”مجھے تو انتہائی شریف معلوم ہوتا ہے۔“

”اچھا اب اگر وہ کہیں دکھائی دے تو براہِ کرم مجھے بذریعہ فون اطلاع دیجیے گا۔ حالانکہ اس کے امکانات کم ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

"اچھا تو اب ہم لوگ اجازت چاہیں گے۔" نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ہماری ایک بڑی اُلجھن رفع کر دی۔ اگر مجھے ساجد دکھائی دیا تو فوراً آپ کو مطلع کروں گا۔"

رقیہ بھی کھڑی ہو گئی۔ فریدی انہیں بر آمدے تک چھوڑنے آیا۔ ابھی اس کی کار لان ہی پر کھڑی تھی۔

"آیئے آپ لوگوں کو ایک تماشہ اور دکھاؤں۔" فریدی نے ان کو کار کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ "آج مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ ٹوٹے ہوئے شیشے دیکھیے اور یہ پہیّے۔ وہ تو کہیے کہ میں ہمیشہ اپنے ساتھ دو عدد فالتو پہیّے رکھتا ہوں ورنہ گھر تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔"

"یہ سب کیسے ہوا؟" رقیہ بے ساختہ بولی۔

"شنکر نے آج موٹر سائیکل پر میرا پیچھا کیا تھا۔ یہ سب اس کے ریوالور کی گولیوں کا کارنامہ ہے۔ مُجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس ریوالور نہیں تھا۔ ورنہ

وہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔"

"آپ کو تو ہر وقت اپنے پاس ریوالور رکھنا چاہیے۔" نصیر بولا۔

"اب تو رکھنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

ابھی وہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ حمید پھاٹک میں داخل ہوا۔ رقیہ کو دیکھ کر وہ کچھ جھجکا، لیکن قبل اس کے کہ وہ فریدی سے کچھ کہے، فریدی بول پڑا۔

"آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ بھئی حمید تمہیں چند دوستوں سے ملاؤں، سارا معمّہ حل ہو گیا۔ آپ لوگ دراصل میرے لیے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے ہیں۔۔۔ آپ ہیں پروفیسر نصیر اور آپ مس رقیّہ۔۔۔ میرے ساتھی سارجنٹ حمید۔"

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد فریدی ساری داستان سنا کر بولا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ وہ مجھے گِھس رہے تھے اور میں انہیں گِھس رہا تھا۔"

"مگر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ لوگ آپ کی باتوں کو سچ ہی سمجھتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تو یہ کب کہہ رہاہوں۔" فریدی بولا۔ "وہ دونوں مجھے بیوقوف ضرور سمجھ رہے تھے۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"کیونکہ میں نے ایک بالکل ہی الٹا پلاٹ اُن کے سامنے رکھنے کی کوشش کی تھی، ظاہر ہے کہ وہ اپنی جگہ پر قطعی مطمئن ہیں کہ اگر وہ نہیں مراتب بھی ہمارے کسی کام میں نہیں آسکتا کیونکہ بچ جانے کی صورت میں اس کا پاگل ہوجانا یقینی ہے اور میں نے کاغذات پھاڑنے اور جوتے اور کوٹ چھوڑ کر بھاگ جانے کا فرضی واقعہ بتا کر انہیں اس کا اور بھی یقین دِلا دیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ جس چیز کو میں نے ان کے سامنے سازش بنا کر پیش کیا ہے اسے وہ اس کے پاگل پن پر معمول کریں گے اور ان کا اس طرح بے باکی سے یہاں چلے آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں میرے دھوکہ کھا جانے کا یقین پہلے ہی سے تھا اور اب میری گفتگو نے اس یقین کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔"

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔۔۔مجھے یقین تو نہیں آتا۔“حمید نے کہا۔

”خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم اس لڑکی سے عشق کرو گے یا میں ہی شروع کر دوں؟“

”بس مجھے تو معاف ہی رکھیے۔۔۔ابھی مرنے کو دل نہیں چاہتا۔“حمید بولا۔

”بُزدل۔۔۔!“

”چلیے یہی سہی۔۔۔ لیکن عورتوں کے چکّر میں پھنس کر مرنے کو بہتر نہیں سمجھتا۔“

”تم آ کہاں سے رہے ہو؟“فریدی نے کہا۔

”میں ابھی نہیں بتا سکتا۔“حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ ”اپنا طریقہ کار متعیّن کر لینے کے بعد میں اکیلے ہی کام کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت بڑا تیر ماریں گے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”میں آپ کے کاموں میں قطعی دخل نہ دوں گا۔۔۔ فی الحال میرے ساتھ پیٹر روڈ چلیے۔“

”پیٹر روڈ۔۔۔!“

”ہاں نمبر ۳۰۳، پیٹر روڈ۔۔۔!“

”کیا ملے گا آپ کو وہاں؟ آپ بھی ان لوگوں کی باتوں میں آ گئے۔“ حمید نے کہا۔

”میں دراصل انہیں اس کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں ان کے جال میں اچھی طرح پھنس گیا ہوں۔“

”چلیے صاحب! لیکن میں یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ یہ محض دھوکا ہے۔ آپ سچ مچ اس لڑکی سے عشق کرنے لگے ہیں۔“

”چلو یہی سمجھ لو۔۔۔ چار بج رہے ہیں۔ آؤ پہلے چائے پی لیں۔“

دو فائر ایک چیخ

فریدی کی کار تیزی سے پیٹر روڈ کی طرف جارہی تھی۔ انہیں ۳۰۲ نمبر کا بنگلہ ڈھونڈ نکالنے میں کوئی دقّت نہ ہوئی۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ تھا، جس کے سامنے ایک مختصر سا پائیں باغ تھا۔ حمید اور فریدی باغ سے گذر کر برآمدے میں پہنچے۔ یہاں ایک بوڑھی عورت نے جو ملازمہ معلوم ہوتی تھی ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ”صاحب گھر پر موجود نہیں۔“

”کیا یہ ساجد صاحب کا بنگلہ ہے؟“

”جی ہاں۔۔۔ لیکن وہ کل شام سے گھر نہیں آئے۔“ ملازمہ بولی۔

”کیا کہیں باہر گئے ہیں؟“

”اس کے متعلّق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”کیا پہلے بھی اس طرح بغیر بتائے غائب رہے ہیں؟“

”اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔“ بڑھیا اُکتا کر بولی۔

”ساجد صاحب کرتے کیا ہیں؟“

فریدی کے اس سوال پر بڑھیا انہیں حیرت سے گھورنے لگی۔

”اگر آپ ان کے ملنے والوں میں سے ہیں تو۔۔۔!“

”نہیں ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”پولیس۔۔۔؟“ وہ چونک کر بولی۔

”ہاں ہم اس مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”تلاشی۔۔۔!“ بڑھیا تقریباً اُچھل کر بولی۔ ”مگر کیوں؟“

”پولیس کو ساجد صاحب پر کچھ شُبہ ہے۔“

”اوہ۔۔۔ مگر کس بات کا شُبہ؟“

”ہم زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتے۔“

بڑھیا سہم گئی۔

”آؤ۔۔۔ ہمارے ساتھ آؤ۔“ فریدی نے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”یہاں اور کون رہتا ہے؟“

”صرف میں اور صاحب۔“

”ہوں۔۔۔!“

یہ غالباً ساجد کا اسٹوڈیو تھا، دیواروں پر چاروں طرف بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی

تھیں اور دو ایک نامکمل تصویریں ایزلوں پر بھی تھیں۔

"تو ساجد صاحب تصویریں بناتے ہیں۔" فریدی نے بڑھیا سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور کوئی کام نہیں کرتے۔"

"جی نہیں۔"

"شاید کوئی اور آیا ہے۔" بڑھیا نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آئی۔"

"دیکھ رہے ہو حمید ان تصویروں کو یہ سب رے فیل۔۔۔ ڈاوَنچی اور رے برن وغیرہ کی مشہور تصویروں کے چربے ہیں اور یہ تصویریں اتنی عام ہیں کہ کوئی ان کی زیادہ قیمت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایسی تصویروں کا بنانے والا اتنے ٹھاٹھ کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا، خاموشی سے تصویریں دیکھ رہا تھا۔

”اب دوسرا کمرہ دیکھنا چاہیے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن وہ بڑھیا ابھی تک واپس نہیں آئی۔۔۔ ذرا باہر جا کر دیکھو۔“

”اس کا تو کہیں پتہ نہیں چلا۔“ حمید بولا۔

”شاید ڈر کر کہیں بھاگ گئی۔“ فریدی نے کہا اور اسٹوڈیو سے ملے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ شاید ساجد کی خواب گاہ تھی۔ فریدی یہاں کی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتاً وہ کسی چیز کی طرف لپکا۔

”اوہ۔۔۔!“ فریدی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

حمید چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی کے ہاتھ میں دفتی کا ایک ڈبہ تھا۔

”یہ کیا۔۔۔؟“ حمید بولا۔

”کوکین۔۔۔!“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”اس میز کی دراز سے برآمد ہوئی ہے۔ یہاں بھی کئی ڈبّے اور ہیں۔“

”حمید نے سارے ڈبے نکال کر فرش پر رکھ دیئے۔“

”یہ کوئی بہت ہی منظّم گروہ معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”بکو مت۔۔۔ میں جانتا ہوں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر بلند آواز میں کہنے لگا۔ ”اتنی مقدار میں کوکین کا برآمد ہونا واقعی خطرناک بات ہے۔ اب میں سمجھا کہ یہ لوگ کیوں میری جان لینا چاہتے ہیں۔ مجھے راستے سے ہٹا دینے کے بعد وہ بہت اطمینان سے کوکین کی ناجائز تجارت کر سکیں گے۔ اوہ۔۔۔ ٹھیک یاد آیا۔ میرے ان کاغذات میں ایک کوکین فروش کی انگلیوں کے نشانات بھی تھے۔۔۔ اُف میرے خدا۔“

”مگر وہ یہ سب چیزیں یہاں کیوں چھوڑ گئے؟ اس طرح تو انہوں نے اپنے خلاف بہت سے ثبوت مہیّا کر دیئے۔“

”بہت ممکن ہے۔“ فریدی بولا۔ ”وہ یہ سمجھے ہوں کہ رقیہ ہمیں رات ہی کو مل گئی ہو اور پولیس نے ہماری اطلاع پر بنگلے کی نگرانی شروع کر دی ہو۔ بالکل ٹھیک

ہے۔اسی خوف سے وہ لوگ یہاں آکر ایسی چیزیں ہٹانہ سکے۔"

"اوہ۔۔۔!" حمید بولا۔ "ہم سے زبردست غلطی ہوئی کہ ہم اکیلے یہاں چلے آئے۔۔۔اگر وہ لوگ ہمیں یہاں گھیر کر مار ڈالیں تو؟"

فریدی حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔بڑی زبردست غلطی ہوئی۔آؤ چپکے سے نکل چلیں۔یہ ڈبّے اٹھالو۔" حمید ڈبّے اُٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا اگر فریدی اتّفاقیہ طور پر ذراسانہ ہل گیا ہوتا تو کھوپڑی اُڑگئی تھی۔اب وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسرا فائر ہوا اور اسٹوڈیو میں ایک چیخ سنائی دی۔ساتھ ہی ساتھ کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے ریوالور نکال کر دروازے کی طرف جھپٹے۔

وہ اسٹوڈیو میں جانے کے بجائے دوسرے دروازے سے برآمدے میں نکل آئے۔

برآمدے میں سنّاٹا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اسٹوڈیو کے دروازے پر آئے اور اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ اسٹوڈیو میں سنّاٹا تھا۔ ”اوہ یہ کیا۔۔۔!“ فریدی نے دروازے کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔

ٹھہرو۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور زمیں پر پڑے ہوئے ریوالور کی نال کو چٹکی سے پکڑ کر رومال میں لپیٹ لیا۔

فرش پر خون کی بوندیں نظر آرہی تھی۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

برآمدے میں پہنچ کر پھر کہیں خون نہ دکھائی دیا۔ فریدی اور حمید ہاتھوں میں ریوالور لیے بنگلے کا چپّہ چپّہ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

”مشکل ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ہم نے بہت دیر کر دی۔ مگر وہ دوسرا کون تھا۔۔۔ جس نے ہم پر فائر کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔“

”دوسرا۔۔۔!“حمید متعجّبانہ انداز میں بولا۔

”ہاں۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ تم نے چیخ کی آواز نہیں سنی تھی اور پھر وہ خون کی

بوندیں اور دوسرا فائر آواز کے اعتبار سے پہلے سے نسبتاً دور کا معلوم ہوا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی نے ہم پر وار کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔

"اور پھر دونوں غائب ہو گئے۔" حمید بولا۔ "عجیب معاملہ ہے سب کے سب غائب۔ وہ کم بخت بڑھیا بھی غائب۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سچ مچ ہم سے ڈر کر غائب ہو گئی۔" فریدی نے کہا۔

"آؤ چلیں۔۔۔ مگر اس دوسرے فائر کرنے والے نے مُجھے بہت زیادہ اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔" فریدی نے کوکین کے ڈبّے اپنے قبضے میں کیے اور دونوں کار پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

"ہاں تم ریوالور کے متعلّق کچھ کہہ رہے تھے۔" فریدی بولا۔

"آج میں نے یہ ریوالور ایک جگہ دیکھا تھا۔"

"کہاں۔۔۔؟"

"آج صُبح جب آپ شنکر کی تلاش میں نکل گئے تھے، میں میٹرو کی طرف چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہاں پروفیسر اور رقیہ کی صورت نہ دکھائی دے گی، لیکن میں نے سوچا کہ احتیاطاً دیکھ ہی لینا چاہیے اور وہاں پہنچ کر جب میں نے انہیں وہیں پایا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں اُن کی نگاہوں سے چھُپ کر ان کی نگرانی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رقیہ ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آئی اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئی میں دوسری ٹیکسی پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ جیکب روڈ پر اتر کر والٹر روڈ کی طرف مُڑ گئی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اس سنسان سڑک پر کیا کرنے آئی ہے۔ اس پوری سڑک پر بمشکل تمام دو یا تین کوٹھیاں ہیں وہ انہیں میں سے ایک میں گھُس گئی۔ اس کوٹھی کی ظاہری حالت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں بہت ہی لاپرواہ قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ اس کا پائیں باغ کیا ہے اچھا خاصا جنگل ہے، چہار دیواری کے اندر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں نظر آتی ہیں۔ میں کوٹھی کی پشت سے احاطے میں داخل ہوا اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا ایک کمرے کی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ اسی کمرے میں مَیں نے ایک

میز پر ایسا ہی ریوالور پڑا ہوا دیکھا تھا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے خوبصورت ریوالور ہمیشہ خاص طور پر آرڈر دے کر بنوائے جاتے ہیں۔ میں بڑی دیر تک کوشش کرتا رہا کہ اس کے آگے بھی کچھ معلوم کروں، لیکن مجبوراً میں وہاں سے یہ سوچ کر چلا آیا کہ رات میں آ کر کچھ اور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم نے بڑی عقل مندی سے کام لیا۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ اچھا آج رات کو دیکھا جائے گا۔"

"کیوں نہ اُن لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے؟"

"ابھی ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی معقول ثبوت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر ساجد ہوش میں ہوتا تو یہ اتنی دشوار چیز نہ تھی۔ میرا ارادہ ہے کہ کل اسے کسی طرح راج روپ نگر ڈاکٹر شوکت کے پاس پہنچا دوں۔ اگر وہ کسی طرح اس کی

دماغی حالت ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

"بہر حال ہمیں بہت احتیاط سے رہنے کی ضرورت ہے۔" حمید بولا۔

"عجیب اُلجھا ہوا معاملہ ہے۔ ابھی تک مجرموں کا اصلی مقصد نہ معلوم ہو سکا۔۔۔ اور پھر آج اس دوسرے فائر نے مُجھے اور زیادہ چکّر میں ڈال دیا ہے۔ آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے قریب قریب میرا سارا پلان چوپٹ ہو کر رہ گیا۔"

"کمال کیا آپ نے۔" حمید نے کہا۔ "ایک تو اس بے چارے کی وجہ سے جان بچ گئی اور وہی بُرا کہا جا رہا ہے۔"

"جان تو بچ گئی لیکن کام جو بگڑ گیا۔" فریدی بولا۔

"وہ کیسے۔"

"یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم لوگوں پر فائر نصیر ہی کی ٹولی کی طرف سے کیا گیا

تھا اور ان لوگوں نے یہ اسکیم محض اس لیے بنائی تھی کہ اگر گولی نشانہ پر بیٹھی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مُجھ سے چھٹکارا ہی مل جائے گا اور اگر کامیابی نہ ہوئی تو ساجد کی طرف سے میرا شُبہ اور زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ لیکن اب اس دوسرے فائر کی وجہ سے ان لوگوں کا خیال بدل جائے گا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ میرے ہی کسی آدمی نے ان کے آدمی پر گولی چلائی اور وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں دھوکا دینے کے لیے جو پلاٹ گھڑا تھا بے کار ہو گیا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"اُدھر کہاں جا رہے ہیں۔" دفعتاً حمید بولا۔

"ٹھہرو۔۔۔ آج کھانا وہیں کھائیں گے۔" فریدی نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی کار میٹرو کے پھاٹک پر پہنچ گئی۔

رقیہ اور نصیر ایک میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں چونک پڑے۔

"آیئے انسپکٹر صاحب۔" نصیر نے اُٹھ کر فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید بھی وہیں بیٹھ گئے۔

"آخر اسپینی رقاصہ کے کمال نے آپ کو بھی کھینچ ہی لیا۔" رقیہ فریدی سے بولی۔
"میں نے سُنا ہے کہ آپ بہت خشک آدمی ہیں۔" "نہیں ایسا تو نہیں۔" فریدی
نے ایسے رومانٹک انداز میں مُسکرا کر جواب دیا کہ حمید کو حیرت ہوئی۔

رقیہ فریدی کی نظروں کی تاب نہ لا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

فریدی کُچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ بیرے نے آکر نصیر سے کہا کہ اسے کوئی ٹیلی
فون پر بلا رہا ہے۔ نصیر اُٹھ کر چلا گیا۔

"آج سردی بہت زیادہ ہے۔" فریدی نے رقیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں۔۔۔ہے تو۔۔۔!" رقیہ بولی۔

"غالباً آپ کے پاس بھی ساجد کی تصویر ضرور ہو گی۔" فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں ہے تو۔“

”آپ براہ مہربانی مُجھے عنایت فرمائیں گی۔“

رقیہ اداس ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے جنہیں وہ منہ دوسرے طرف پھیر کر پونچھنے لگی۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ کسی بہانے سے اُٹھ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

مجھے افسوس ہے۔“ فریدی بولا۔ ”کہ میں نے پھر اس تذکرے کو چھیڑ کر آپ کو دُکھ پہنچایا۔ مگر کیا کروں مجبوری ہے۔۔۔ خیر آپ کو خُدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ وقت سے پہلے آگاہ ہو گئیں۔ اُف میرے خدا ایک شریف اور اعلیٰ خاندان کی لڑکی ایک بدمعاش کی چنگل میں۔۔۔ آپ کو اسے قطعی بھول جانا چاہیئے۔“ فریدی بولتا رہا اور رقیہ یہ خیال کیے بغیر کہ وہ اس وقت مجمع میں بیٹھی ہوئی ہے آنکھوں پر رومال رکھے سسکیاں لیتی رہی۔

اتنے میں نصیر آگیا۔

”ہائیں کیابات ہے؟“نصیر فریدی کو گھورتاہوابولا۔

”مجھ سے غَلَطی ہوئی۔۔۔ معافی چاہتاہوں۔۔۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔“فریدی نے کہا۔

”آخر بات کیاہے؟“نصیر تیز لہجے میں بولا۔

”مجھے ساجد کی تصویر کی ضرورت ہے۔ میں نے مس رقیہ سے پوچھا وہ رونے لگیں۔“

”آپ کو مُجھ سے کہنا چاہیے تھا۔۔۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“نصیر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

”میں ایک بار پھر اظہارِ افسوس کرتاہوں۔“

”تصویر آپ کو مل جائے گی۔“نصیر بدستور بُراسامنہ بنائے ہوئے بولا۔

”بُرا ماننے کی بات نہیں نصیر صاحب۔۔۔ پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے۔

مجرموں کو گرفتار کرنے کے لیے مُجھے سخت سے سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" نصیر چونک کر بولا۔

"آج زندگی تھی جو ہم لوگ بچ گئے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"آج میں نے زندگی میں شاید پہلی بار ایسی حماقت کی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کچھ بتایئے گا۔۔۔ خواہ مخواہ اُلجھن میں مبتلا کر رہے ہیں آپ۔۔۔!"

"آج ہم لوگ کوئی احتیاطی تدبیر کیے بغیر آپ لوگوں کے بتائے ہوئے پتے پر ساجد کے بنگلے کی تلاشی لینے چلے گئے۔ ہمیں چاہیے تھا کہ ہم سب سے پہلے پولیس سے مدد لے کر بنگلے کا محاصرہ کرا دیتے۔"

"لیکن ہوا کیا۔۔۔؟" نصیر بے صبری سے بولا۔

"جب ہم ایک کمرے سے کوکین کے ڈبّے برآمد کر رہے تھے کسی نے پیچھے سے

ہم پر گولی چلائی اور تو اور لطف یہ ہے کہ اس گولی چلانے والے پر بھی کسی نے دوسرا فائر کیا۔ جب ہم لوگ اُدھر گئے جدھر سے فائر ہوئے تھے تو ہمیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ حتّٰی کہ ساجد کی بوڑھی ملازمہ بھی غائب تھی۔"

"بڑے تعجّب کی بات ہے۔"

"اور سب سے زیادہ تعجّب کی بات یہ ہے کہ مجرم پر بھی کسی نے وار کیا۔" فریدی بولا۔

"آپ کا کوئی دوست ہی ہو سکتا ہے۔" نصیر نے کہا۔

"ناممکن۔۔۔ اس معاملے کو فی الحال میرے اور حمید کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔۔۔ یا پھر آپ لوگ۔۔۔!"

"حیرت ہے۔"

"بہر حال جس نے بھی مجرم پر وار کیا بُرا ہوا۔۔۔ اس سے وہ لوگ اور زیادہ محتاط ہو جائیں گے اور نتیجے کے طور پر مجھے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

”آپ کا خیال درست ہے۔“ نصیر بولا۔

”آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میرے ہاتھ میں بڑے بڑے کیس آئے لیکن مجھے کبھی اتنی پریشانی نہیں اُٹھانی پڑی۔“ فریدی بولا۔

”میں آپ کو ہر ممکن مدد دینے کے لیے تیّار ہوں۔ تصویر آپ کو مل جائے گی۔ کم بخت نہ جانے کیوں ہم لوگوں کے پیچھے بھی پڑ گئے ہیں۔“

فریدی اور حمید کھانا کھا کر واپس آ گئے۔

عشق

فریدی نے دوسرے ہی دِن ساجد کو ایک بند گاڑی میں سوار کرا کے راج روپ نگر پہنچایا۔ ڈاکٹر شوکت کے لیے اس قسم کا کیس بالکل نیا تھا۔ لیکن اس نے فریدی سے اچھے تعلقات ہونے کی بناء پر اس کا علاج کرنا منظور کر لیا لیکن اس نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ کتنے عرصے میں اسے ٹھیک کر سکے گا۔

اسی دِن شام سے فریدی نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔۔۔وہ جب بھی باہر نکلتا کسی نہ کسی آدمی کو اپنے تعاقب میں ضرور پاتا۔

اس کیس میں سچ مچ اسے دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجرموں کو کس طرح قابو میں لائے۔ حملہ آور کا پستول اس نے محفوظ کر لیا تھا لیکن اس کے دستے پر بھی اسے کسی قسم کے نشانات نہ مل سکے۔ اس اندھیرے میں اسے اُمّید کی صرف ایک ہی کرن دکھائی دیتی تھی اور وہ ساجد کی ذات تھی۔ لیکن کبھی کبھی وہ اس طرف سے بھی مایوس ہو جاتا تھا کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی دماغی حالت درست ہی ہو جائے۔ ایک مجرم کا ریوالور بھی اسے دستیاب ہو گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کہاں دیکھا گیا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ مجرموں کو گرفتار کرا دے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ ان کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا۔ بہر حال وہ سخت اُلجھن میں تھا کہ کیا کرے۔

سب سے زیادہ حیرت اُسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر تھی۔ بعض اوقات تو اسے محسوس ہونے لگتا تھا کہ جیسے اس نے قطعی غلط قدم اُٹھایا ہو۔ جنہیں وہ مجرم سمجھ رہا ہے، وہ مجرم نہیں ہیں لیکن ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور اسے پھر اپنے پہلے ہی خیال پر لوٹ آنے کے لیے مجبور کر دیتا تھا۔

دوسری چیز جو اس کے لیے بالکل معمہ بن کر رہ گئی تھی مجرم پر فائر کرنے والے کی شخصیت تھی۔

اس بازی میں وہ اپنے جس مہرے پر بھی نظر ڈالتا اس کی پوزیشن کمزور ہی نظر آتی تھی۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ وہ خیال جو مزاح کی خاطر کئی بار حمید کے سامنے دہرا چکا تھا یعنی رقیہ پر ڈورے ڈالنا۔ اگر وہ کسی طرح قابو میں آگئی تو پھر بس کام بن گیا۔

اس معاملے پر پہلے سے زیادہ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے باقاعدہ رقیہ سے ملنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ بھی پرلے سِرے کی گھاگ تھی۔ کیا مجال کہ کہیں سے لغزش ہو جائے۔ فریدی کو اس معاملے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔۔ لیکن وہ ہمّت نہیں ہارا۔ دونوں میں کافی بے تکلّفی ہو گئی تھی۔ مگر وہ مطلب کی باتوں پر صاف اُڑ جاتی تھی۔

آج وہ فریدی سے ملنے کے لیے اس کے گھر آئی تھی، لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھا اور حمید کہیں جانے کی تیّاری کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کچھ دیر تک دونوں میں رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر فریدی کے متعلّق گفتگو چھڑ گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کا نام لیتے وقت رقیہ کی آواز میں ایک عجیب قسم کا رسیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

"ایک ایسا شخص جو دِن رات محنت کرتا ہو کافی دیکھ بھال چاہتا ہے۔" رقیہ بولی۔

"جی ہاں۔۔۔ میں ان کی کافی دیکھ بھال کرتا ہوں۔" حمید بولا۔

"آپ۔۔۔!" رقیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"کیوں۔۔۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں۔۔۔ ویسے آپ بھی خاصے عورت معلوم ہوتے ہیں۔" رقیہ قہقہہ لگا کر بولی اور حمید جھینپ گیا۔

"ممکن ہے آپ ٹھیک کہتی ہوں۔" حمید جھینپتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مگر اس بات کا مجھے یقین ہے کہ اگر میں ذرا برابر بھی عورت معلوم ہوتا تو فریدی صاحب ایک منٹ کے لیے بھی مُجھے اپنے قریب وجوار میں برداشت نہ کرسکتے۔"

"اوہ تو کیا انہیں عورتوں سے نفرت ہے۔" رقیہ بولی۔

"کبھی تھی لیکن شاید اب نہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"میں نے آج تک ان کی زبانی کبھی عورتوں کا تذکرہ نہیں سُنا لیکن آج کل وہ دِن رات ایک عورت کی شان میں قصیدے پڑھا کرتے ہیں۔" "اچھا۔۔۔ کون ہے وہ عورت۔۔۔!"

"یہ نہ بتا سکوں گا۔۔۔ اگر فریدی صاحب کو خبر ہوگئی تو شاید مجھے زندہ ہی دفن کر دیں۔"

"انہیں معلوم ہی کیسے ہو گا۔"

”مجھے سخت حیرت ہے۔“حمید اس کی بات سُنی اَن سُنی کر کے بولا۔ ”وہ شخص جو محض فنِ سُراغ رسانی کی تکمیل کے لیے شادی تک سے گریز کرتا رہا ہو، وہ شخص جس کے سر پر ہر وقت سُراغ رسانی کا بھُوت سوار رہتا ہو۔ وہ جسے اپنے فن کے علاوہ اور کسی چیز کی پرواہ نہ رہی ہو۔ ایک عورت کے خیال میں اس طرح غرق ہو جائے کہ ایک معمولی سے مجرم کو بھی نہ پکڑ سکے، وہ شخص جس نے لیونارڈ جیسے عالم گیر شہرت رکھنے والے آدمی کو چوہے کی طرح پھانس لیا۔ ساجد جیسے گمنام آدمی کا پتہ نہ لگا سکے، مُجھے اس کی حالت پر رحم آتا ہے۔ واقعی عورت بڑی خطرناک چیز ہے۔“

حمید خاموش ہو گیا۔

”لیکن آخر وہ عورت ہے کون، جس نے ایسے پتھّر کو موم کر دیا۔“ رقیہ بے تابی سے بولی۔

”کل رات۔۔۔ میں ان کی حالت دیکھ رہا تھا۔۔۔ وہ پاگلوں کی طرح سارے گھر

میں گھومتے پھر رہے تھے اور پھر میں نے انہیں بچّوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا۔ اف میرے خدا کتنا دردناک منظر تھا۔ وہ شخص جو افلاطون کو سبق دینے کا دعویٰ رکھتا ہو، اس طرح بے بس ہو جائے۔ بچّوں سے بھی بدتر۔۔۔ اف! اگر قانون کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس عورت کو گولی مار دیتا۔" حمید کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے باہر اُبلی پڑی تھیں۔ وہ اس طرح ٹہلنے لگا جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"خُدارا بتا بھی دیجیے کہ وہ کون ہے۔" رقیہ بے صبری سے بولی۔

"آپ نہ سُن سکیں گی۔۔۔ مگر نہیں آپ کو سُننا ہی پڑے گا۔ وہ آپ ہیں۔۔۔ صرف آپ۔ آپ نے ان کی زندگی برباد کر دی۔ آپ ان کی شہرت کو پستیوں میں پھینکنے والی ہیں۔ خُدارا ان کے راستے سے ہٹ جایئے۔ میں ان کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان کی زندگی میں کسی عورت کا داخل ہونا ان کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ وہ کسی کام کے نہ رہ جائیں گے۔ اور اس سے ملک و قوم کو جو نقصان ہو گا وہ ظاہر ہے۔ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ان کے راستے

سے ہٹ جایئے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ رقیہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ مُردہ آواز میں بولی۔ "میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"اُن سے ملنا چھوڑ دیجیے۔۔۔ میں انہیں آپ کی بے وفائی کا یقین دِلا کر کسی طرح راہ پر لے آؤں گا۔"

رقیہ خاموش رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر دو متضاد قسم کے جذبوں میں جنگ جاری ہے۔ حمید اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار دونوں کی نظریں ملیں اور رقیہ نے سر جھکا لیا۔ وہ ناخن سے کرسی کا گدّا کُرید رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

دفعتاً قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی خون میں نہایا ہوا آ کر ایک صوفے پر گر گیا۔ رقیہ کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

"یہ کیا ہوا۔۔۔!" حمید بے اختیار چیخا۔ فریدی نے آنکھیں بند کیے ہوئے ایک

ہاتھ اُٹھا دیا۔ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں جن سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔

”پانی۔۔۔!“ وہ اپنے پٹی سے بندھے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر نقیہ آواز میں بولا۔

حمید پانی لینے چلا گیا۔

”یہ کیا ہوا؟“ رقیہ صوفے کے قریب زمین پر دوزانو بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے دونوں ہاتھ فریدی کے رخساروں پر تھے۔

فریدی کے چہرے پر نقاہت آمیز مُسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس کی انگلیوں کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ رقیہ کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ جنہیں وہ منہ پھیر کر پی جانے کی کوشش کرنے لگی۔

”کئی آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

اتنے میں حمید پانی لے کر آگیا۔

"آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔" حمید نے چونک کر فریدی کا جملہ استفہامیہ انداز میں دہرایا۔

"مجھے افسوس ہے کہ۔۔۔ میں ان کی شکل نہ دیکھ سکا۔" فریدی رُک رُک کر بولا۔

"انہوں نے سیاہ نقاب پہن رکھے تھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان میں ساجد ضرور تھا۔"

"ساجد۔۔۔!" رقیہ حیرت سے بولی۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ "بہت ممکن ہے کہ وہ رہا ہو۔"

"لیکن یہ حادثہ کہاں ہوا؟" حمید بولا۔

"والٹر روڈ پر۔۔۔!"

"والٹر روڈ پر۔۔۔!" رقیہ پھر چونک کر بولی۔

"حمید تم فوراً کوتوالی جا کر پتہ لگاؤ کہ کسی حادثے کی اطلاع تو نہیں ملی، لیکن میرے متعلّق کسی سے کچھ نہ کہنا۔" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ فریدی نے پھر آنکھیں کھولیں۔

"تم ابھی تک نہیں گئے؟" وہ بولا۔

"میں آپ کو اِس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"تم جاؤ رقیہ ہیں تو میرے پاس۔" فریدی نے کہا۔ رقیہ کہتے وقت اس کے لہجے میں بلا کا پیار آ گیا تھا جسے رقیہ بھی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔

حمید چلا گیا۔

"آپ یہاں سے کہیں اور چلے جایئے۔" رقیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں۔۔۔؟"

"یونہی آپ پر یہ دوسرا حملہ ہے۔"

"ہو گا۔۔۔میں اتنا بزدل نہیں ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں کچھ دِنوں سے خود کو احمق محسوس کرنے لگا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری ذہانت کسی ویرانے کی دلدل میں پھنس کر آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔"

"یہ کیوں۔۔۔؟"

"میں نہیں جانتا۔" فریدی نے رقیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نظریں جھکا کر ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

رقیہ کا چہرہ تمتما اُٹھا تھا اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے قطرے ڈھلک کر رخساروں پر بہہ چلے۔

"تم رو رہی ہو؟" فریدی اس کا ہاتھ دباتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے۔۔۔ لیکن میں ساجد کو کسی طرح قانون کی گرفت سے نہ بچا سکوں گا۔ معاملہ میرے ہاتھوں سے بہت دور جا چکا ہے۔"

"ساجد۔۔۔!" وہ اس طرح بولی جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔ "جہنّم میں گیا

ساجد۔ میں مجبور تھی۔۔۔ میں ان غلاظتوں سے تنگ آگئی ہوں۔ میں اب اس گندگی میں نہیں رہ سکتی۔ موت صرف موت مُجھے سکون دے سکے گی۔ چوتھا خون اُف میرے خدا۔۔۔ چوتھا خون۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔

رقیہ نے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پھر لٹا دیا۔

"تمہارا خون۔۔۔ لیکن اب مُجھ سے نہ ہو سکے گا۔ ہر گز نہ ہو سکے گا۔ تم سُنتے ہو۔" رقیہ فریدی کے سینے پر سر رکھ کر بے اختیار پھوٹ پڑی۔

"ڈرو نہیں۔۔۔ صاف صاف بتاؤ۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتی۔۔۔ مُجھے تو اب مر ہی جانا چاہیے۔ لیکن میں اب یہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ چوتھی موت کا ذریعہ بنوں۔ میں اب اپنے ضمیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ حالانکہ اسے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس کی سزا

موت ہو گی۔"

"شاید تم بہت زیادہ پریشان ہو۔" فریدی بولا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ شاید آپ اسے ہذیان سمجھ رہے ہیں۔۔۔ میں قطعی ہوش میں ہوں۔"

"نہیں ساجد کی حرکت نے تمہارے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"ساجد۔۔۔!" وہ چونک کر بولی۔ "اوروں کی طرح اس کی بھی ہڈیاں تک گل گئی ہوں گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا؟"

"ساجد سے پہلے بھی دو آدمیوں کو موت کے دروازے تک پہنچا چکی ہوں۔"

"غالباً تمہارا اشارہ ان دونوں کی طرف ہے جِن کی لاشیں میرے پھاٹک پر پائی گئی ہیں۔"

”ہاں۔۔۔ اور یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ لاشیں آپ کے پھاٹک پر کیوں پھنکوائی گئیں۔“

”مگر ان کی موتیں تو قدرتی حالات میں ہوئی تھیں۔“ فریدی بولا۔

”بالکل غلط۔۔۔ میں اس پر یقین نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ ان کا خاتمہ کس طرح کیا گیا۔“

”مگر وہ تھے کون؟“

”میں یہ نہیں جانتی۔۔۔ ایک بار وہ تینوں اکٹھا دِکھائے گئے تھے۔۔۔ اور کہا گیا تھا کہ میں ان تینوں کو الگ الگ اس طرح پھانسوں کہ ایک دوسرے کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔“

”پھر۔۔۔!“

”میں نے انہیں پھانس کر باری باری موت کے دروازے تک پہنچا دیا۔ میرا بس اتنا ہی کام تھا کہ ان کے متعلّق اچھی طرح واقفیت بہم پہنچا کر انہیں نصیر تک پہنچا

دوں۔"

"نصیر۔۔۔!" فریدی حیرت سے بولا۔ "کیا تم اپنے چچا کو نام لے کر مخاطب کرتی ہو؟"

"چچا۔۔۔!" رقیہ ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "چچا۔۔۔ ہاں وہ میرا ایسا چچا ہے کہ اکثر شراب کے نشے میں مجھے ننگی ہو کر ناچنے کو کہتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔!"

"میں ان سب کی محبوبہ ہوں۔" رقیہ بے باکی سے بولی۔ "ان کے چکر میں پھنسی ہوئی ایک مجبور عورت۔"

"تو کیا وہ کئی ہیں؟"

"آٹھ۔۔۔!"

"اور نصیر ان کا سردار ہے؟" فریدی نے کہا۔

”نہیں وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔“ رقیہ بولی۔ ”سردار وہ ایک بہت بھیانک آدمی ہے۔ ایک خطرناک بوڑھا جو ہمیشہ اپنا چہرہ نقاب سے چھپائے رہتا ہے اور شاید صرف میں ہی یہ جانتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ ایک بار میں نے اسے اِتّفاقاً بے نقاب دیکھ لیا تھا۔۔۔ اف میرے خدا کتنا بھیانک چہرہ تھا۔ اس کے چہرے پر ناک کی جگہ پر ایک بڑا غار ہے۔۔۔ اس غار سے اس کا حلق تک دکھائی دیتا ہے۔“

”اوہ۔۔۔!“ فریدی اچھل کر بولا۔

”صرف سُن کر ہی آپ خوفزدہ ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دیکھ لیں تو۔۔۔!“

”اور وہ والٹر روڈ کی کوٹھی نمبر تین میں رہتا ہے؟“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“ وہ حیرت سے بولی۔

”مُجھے سب کچھ معلوم ہے۔“

”تو پھر آپ ساجد۔۔۔!“

”تم لوگ مُجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے تھے اور میں تمہیں۔“

”تو یہ سب محبت۔۔۔!“

”ہاں ہاں۔۔۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”میں پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا کہ تم کوئی شریف لڑکی ہو اور ان کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ مجھے تم سے اتنی ہمدردی اور محبّت ہے جتنی کہ ایک بھائی کو ایک بہن سے ہو سکتی ہے۔ میں اس عرصے میں تمہارے لیے بہت زیادہ پریشان رہا۔“

رقیہ حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

”خیر مجھ جیسی آبرو باختہ کسی شریف آدمی کی بہن بننے کے لائق نہیں۔“

”کیوں نہیں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ تم میری بہن ہو۔۔۔ اور میں تمہیں بچانے کی لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کروں گا۔“

”مجھے اب زندگی کی ضرورت نہیں۔۔۔مجھے زندگی کے نام سے بھی نفرت ہو چکی ہے۔“ رقیہ بولی۔

”نہیں تمہیں جینا چاہیے۔۔۔ہمّت ہارنا بزدلی ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ہاں یہ تو بتاؤ کہ ساجد کے گھر میں مُجھ پر گولی کس نے چلائی تھی اور اس کی نوکرانی کا کیا ہوا؟“

”آپ پر گولی چلانے والا انہیں میں سے ایک تھا اور نوکرانی کے متعلّق میں کچھ نہیں جانتی۔“

”اور وہ شخص جس نے مُجھ پر فائر کرنے والے پر گولی چلائی تھی؟“

”اس کے متعلّق بھی میں کچھ نہیں جانتی۔“

”وہ تین آدمی کس قصور پر مارے گئے؟“

”مُجھے اس کی بھی اطلاع نہیں۔“

”شنکر کے بارے میں بھی تمہیں کچھ معلوم ہے؟“

”ہاں۔۔۔اس کی اور آپ کی جنگ کا پروگرام نصیر ہی کا بنایا ہوا تھا۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”تاکہ آپ دونوں اُلجھ کر رہ جائیں اور وہ اطمینان سے اپنا کام کر سکیں۔“

”اور وہ کام کیا ہے؟“

”یہ مجھے نہیں معلوم۔“ رقیہ بولی۔ ”لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے آپ کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ آپ کو اپنے حسن کے جال میں پھنساؤں۔ شاید وہ ان تینوں کی طرح آپ کی بھی جان لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اب مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔“

”خیر اب وہ میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ رقیہ بولی۔ ”آج رات والٹر روڈ کی کوٹھی میں وہ سب کسی خاص مسئلے پر غور کرنے کے لیے اکٹھا ہوں گے۔“

”کیا تم بھی وہاں ہو گی؟“

”نہیں۔۔۔میرا بلاوا نہیں! میں ہوٹل میٹرو ہی میں ہوں گی۔“

”ہاں اسپینی رقاصہ کے متعلّق بھی کچھ جانتی ہو؟“

”اس کا تعلّق بھی گروہ سے ہے، لیکن یہ نہیں جانتی کہ تعلّق کی نوعیت کیا ہے۔“

”وہ سب وہاں کس وقت اکٹھا ہوں گے؟“

”گیارہ بجے رات کو۔“

”ہوں۔۔۔اچھا تو اگر تم سرکاری گواہ بن گئیں تو میں تمہاری جان صاف بچا لوں گا۔“

”دیکھا جائے گا۔“ رقیہ بے دِلی سے بولی۔

”اچھا وہاں۔۔۔وہ خطرناک بوڑھا بھی ہو گا؟“

”ہاں۔۔۔!“ رقیہ بولی۔ ”ان کا پروگرام اب یہاں سے کہیں اور جانے کا ہے۔

معلوم نہیں کیوں اب تک رُکے ہوئے ہیں۔"

"کوٹھی میں نوکر کتنے ہیں اور رات میں ان کے کہاں کہاں ہونے کے امکانات ہو سکتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ سب مل کر آٹھ ہیں۔۔۔ وہی دِن میں معمولی نوکروں کے فرائض انجام دیتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سب گیارہ بجے ایک جگہ پر ہوں گے۔"

"ہاں۔۔۔ اس قسم کی نشستیں عموماً ہال میں ہوتی ہیں۔"

"ہال کی سچویشن۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"عمارت کے وسط میں واقع ہے۔"

"کُتّے تو نہیں۔"

"ایک بہت ہی خطرناک قسم کا خرگیز ہاؤنڈ ہے، جو رات میں عموماً کمپاؤنڈ میں کھلا

چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

"خیر اس کے لیے بارہ سنگھے کے گوشت کا ایک ٹکڑا کافی ہو گا۔" فریدی بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"اس نسل کا کُتّا بارہ سنگھے کے گوشت کی بُو ایک میل سے سونگھ کر اس پر آتا ہے۔"

"تو کیا آج رات کو۔۔۔!"

"ہاں۔۔۔!"

"سردار بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"میں جانتا ہوں مجھے اس کی سات پشت سے واقفیت ہے۔"

"فرض کیجیے کہ میں نے اس وقت بھی آپ کو دھوکہ دے کر آپ کی اسکیم معلوم کرلی ہو؟" رقیہ مُسکرا کر بولی۔

”مُجھے اطمینان ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اس وقت تمہاری آنکھوں میں فرشتوں کی سی معصومیت دیکھ رہا ہوں۔“

”خیر اب آپ آرام کیجیے۔“ رقیہ اُٹھتی ہوئی بولی۔ ”شکار کرنے آئی تھی اور شکار ہو کر جا رہی ہوں۔۔۔ مگر مجھے۔۔۔ یہ سودا مہنگا نہیں پڑا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔“

رقیہ تھوڑی دیر کھڑی کچھ سوچتی رہی اور پھر باہر چلی گئی۔ فریدی نے اسے واپس بلانا چاہا لیکن وہ پھاٹک سے نکل چکی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید واپس آگیا۔ اس دوران میں فریدی نہا کر کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔

”ارے۔۔۔!“ وہ فریدی کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

”خیریت۔۔۔ خیریت۔۔۔!“ فریدی مُسکرا کر بولا۔

”آپ کے سر کی پٹّی۔۔۔!“

"اوہ۔۔۔!" فریدی اپنے اچھے خاصے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"اور وہ زخم۔۔۔!" حمید پھر بولا۔

"الف لیلیٰ کی داستان۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "صرف دو مرغوں کا خون کافی ہو گیا تھا اور رات کے کھانے پر ہمارے دستر خوان پر دو عدد مرغ مسلّم ہوں گے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" حمید چونک کر بولا۔

"آج میں تم سے بہت خوش ہوں۔۔۔ تم ایک اچھے اداکار بھی ثابت ہو سکتے ہو۔ آج تو تم نے کمال ہی کر دیا۔" فریدی نے کہا۔

"ذرّہ نوازی ہے جناب والا کی۔۔۔ ورنہ بندہ کس لائق ہے۔" حمید مُسکرا کر بولا۔ "مگر اللہ بتایئے یہ کیا اِسرار ہے؟ عقل کو سخت پیچ و تاب ہے۔ بندہ ہمہ تن اضطراب ہے۔ پردہ اس راز سے اٹھایئے کہ غنچۂ دل کھکھلائے اور گلشنِ حیات با صوت ہزاراں مثل باغ بہشت کے گلزار بے خزاں ہو۔"

"بس بس۔۔۔ بکواس بند اے۔۔۔ آغا حشر کے شاگردِ رشید۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"خاکسار تو صرف حضور والا کے دامنِ تلمند سے وابستہ ہے۔" حمید بولا۔

"بھئی ختم کرو یہ سب۔۔۔ بس آج آخری معرکہ اور سر کرنا ہے۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔!"

"اس کے بعد آپ رقیہ سے شادی کر لیں گے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ نے یہ کیا سوانگ رچا رکھا تھا؟"

"جب میں نے دیکھا کہ تم نے لوہے کو کافی تپا دیا ہے تو میرے لیے فوراً ہی ضرب لگا دینے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔"

"تو کیا آپ ہماری گفتگو سُن رہے تھے؟" حمید بولا۔

"عجیب اتّفاق ہے کہ میں ٹھیک اسی وقت یہاں پہنچا جب تم اسے میرے عشق کی داستان سُنا رہے تھے۔"

”وہ تو ویسے ہی کچھ کچھ راہ پر آ چلی تھی۔ آخر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“حمید بولا۔

”تم ابھی بالکل بدھو ہو۔“ فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ ”دِن رات عورت عورت چلّانا اور چیز ہے اور عورت کی فطرت کا مطالعہ اور چیز۔“

”بجا ارشاد ہوا۔“حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

”بُرا ماننے کی بات نہیں، عورت سے قریب رہ کر تم ہرگز عورت کو نہیں پہچان سکتے۔ کیونکہ تمہاری جذباتیت جو عورت کے قرب کی وجہ سے جاگتی ہے تمہیں اس کی فطرت کا مطالعہ نہیں کرنے دیتی۔ وہ اس کی کمزوریوں کو حُسن اور آرٹ کا رنگ دے کر ان کی پردہ پوشی کرنے لگتی ہے۔ مثلاً کسی کا شعر ہے:

معشوق کی چال میں جو لنگڑا پن ہے

دِل لینے کا یہ بھی ایک چلن ہے

مگر خیر۔۔۔لاحول ولا قوۃ۔۔۔ میں شاعری پر کیوں اُتر آیا۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا

تھا؟"

"کہاں۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں آپ تقریباً ایک گھنٹے سے بالکل خاموش ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"خیر چلو یہی سہی۔۔۔ ہاں یاد آیا تو۔۔۔ دیکھو ہر عورت کی فطرت میں ممتا کا کچھ نہ کچھ جزو ضرور ہوتا ہے اور یہ ممتا اس وقت بڑی شدّت سے جاگ اُٹھتی ہے جب وہ کسی ایسے مرد کو تکلیف میں مبتلا دیکھتی ہے جس کا اس سے کچھ تعلّق ہو۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اسے میری محبّت کا یقین دِلانے کی کوشش کر رہے ہو اور وہ کچھ کچھ پسیج بھی رہی ہے تو میں نے دو مُرغوں کا خون کیا۔۔۔ اور پھر۔۔۔ تو تم جانتے ہو۔۔۔ اس کا ردِّ عمل توقعات سے بڑھ کر نکلا۔ یقین رکھو کہ وہ مجرموں کے خلاف سرکاری گواہ کی حیثیت سے پیش ہو گی۔"

"اور پھر اس کے بعد۔۔۔؟" حمید دفعتاً بولا۔

"اور پھر وہ یہیں آکر میرے پاس رہے گی۔"

"اور تو یہ کہیے آپ سچ مچ۔۔۔!" حمید جلدی سے بولا۔

"ہاں۔۔۔وہ سچ مچ مجھے اپنا بھائی سمجھے گی۔" فریدی چہک کر بولا۔

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"میں کچھ اور ہی سمجھا تھا۔"

"غلط سمجھے تھے آپ۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "اور ابھی تھوڑی دیر قبل آپ ہی نے رقیہ سے فرمایا تھا کہ فریدی کے آرٹ کا خون ہوتے نہ دیکھ سکوں گا۔ تم نے میری فطرت کے بارے میں اس سے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ واقعی اگر کوئی عورت میری زندگی میں داخل ہو گئی تو میں بالکل بُدھو ہو کر رہ جاؤں گا۔ یہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"آپ ایک بار تجربہ کر کے دیکھیے۔"

”خیر چھوڑو فضول باتوں کو۔“ فریدی بولا۔ ”آج رات کو والٹر روڈ والی کوٹھی پر چھاپہ مارنا ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن ابھی سے آپ نے اپنی پٹیاں ناحق کھول دیں۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں۔۔۔؟“

”اگر نصیر آ گیا ہو۔۔۔ رقیہ نے آپ کے زخمی ہونے کا حال اسے ضرور بتایا ہو گا۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔ گفتگو کے اختتام تک رقیہ کو غالباً پورا پورا یقین ہو گیا ہو گا کہ یہ سب سوانگ ہے۔“

”یہ کیسے۔۔۔؟“

”اس لیے کہ خود اسی نے بات کا اقبال کر لیا کہ ساجد خود مظلوم تھا۔“

”اوہ۔۔۔ لیکن۔۔۔ شنکر۔۔۔ اس کے متعلّق تو وہ لوگ ابھی تک یہی سمجھے ہوئے ہوں گے کہ وہ آپ کا دُشمن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے شنکر ہی کی حرکت سمجھا ہو۔“

”بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ واقعی مجھ سے غَلطی ہو گئی۔ لاؤ پھر سے پٹیاں کس لوں۔ ہاں ایک بات تو بھُول ہی گیا۔ تمہیں یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ اس گروہ کا سرغنہ ایک ایسا آدمی ہے جو تفریحاً خون کیا کرتا ہے۔ وہ جون ۴۰ء میں یہاں سے بھاگ کر جرمنی چلا گیا تھا اور محض اپنی خونی پیاس بجھانے کے لیے جرمنوں کے ساتھ اتحادیوں سے لڑ رہا تھا۔“

”آپ کا اشارہ جابر کی طرف تو نہیں ہے۔“

”بالکل اُسی کی طرف ہے۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“

”رقیہ سے دوران گفتگو میں۔۔۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس کی ناک کی جگہ

ایک بہت بڑا غار ہے۔"

"ہاں۔۔۔ میں نے اس کے متعلّق دفتر میں کچھ کاغذات دیکھے تھے۔ مگر اس کے جرمنی سے واپس آنے کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"وہ بڑا گھاگ ہے۔۔۔ اور انتہائی خطرناک بھی۔"

"خطرناک کہاں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "وہ اب صرف 'خطر' ہے۔۔۔ اس کی 'ناک' تو آتشک کھا گئی۔"

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ الفاظ سے کھیلنے کا وقت نہیں، ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔"

"یعنی۔۔۔؟"

"کم از کم سو عدد مسلح آدمی درکار ہوں گے۔ تم میرا خط لے کر ایس پی کے پاس چلے جاؤ۔"

"سو آدمی، کیا اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے؟"

”نہیں وہ صرف آٹھ ہیں۔“

”صرف آٹھ عدد کے لیے سو آدمی؟“

”ان پر تو اکیلا جابر ہی بھاری ہو گا۔“ فریدی بولا۔ ”تم اسے نہیں جانتے۔ وہ کئی بار ہزاروں کے مجمع میں گھِر جانے کے باوجود بھی بچ نکلا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد حمید پھر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا اور فریدی اپنے عجائبات کے کمرے میں جا گھُسا۔

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی، سردی کی شدّت سے والٹر روڈ پر آہستہ آہستہ رینگنے والے کانسٹیبلوں کے دانت بجنے لگے تھے۔ جب کوٹھی تھوڑی دور رہ گئی تو وہ سب فریدی کے اشارے پر دو دو تین تین کی ٹولیوں میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آگے بڑھنے لگے۔ فریدی آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوٹھی کے پھاٹک کے قریب آیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اپنے کاندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا نکال کر پھاٹک کے اندر ڈال دیا۔

دو منٹ، تین منٹ، پانچ، دس لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور وہ وہاں سے واپس

لوٹ آیا۔

"شاید آج انہوں نے کُتّے کو بند کر رکھا ہے۔ ورنہ اتنی دیر نہ لگتی۔" اس نے حمید سے کہا۔

اتنی دیر میں پولیس کے سپاہی کوٹھی کے گرد حلقہ بنا کر آہستہ آہستہ سمٹنے لگے تھے۔ فریدی چہار دیواری کے اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھی کی بعض کھڑکیوں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے باہر سے کوٹھی کا چکر لگا ڈالا لیکن کسی قسم کی آہٹ سے بھی وہاں کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ آخر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب بھی چہار دیواری کے اندر آ گئے۔

کوٹھی کے اندر بھی بالکل سنّاٹا تھا۔۔۔ پولیس کے سپاہی ہال کے گرد متعدد کمروں میں منتشر ہو گئے تھے۔

غالباً وہ سب ہال ہی میں ہیں۔ فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

اور پھر اچانک وہ سب ہال میں گھُس پڑے۔

مگر۔۔۔ان میں سے کئی کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ایک بہت بڑی میز پر جس کے گرد بہت سی کرسیاں پڑی تھیں۔۔۔ تین لاشیں نظر آئیں۔

اُف میرے خدا۔۔۔!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔"نکل گئے کم بخت۔"

"ارے رقیّہ۔۔۔اور ساجد کی نوکرانی۔"حمید چیخا۔

دو تین سب انسپکٹر کچھ سپاہیوں کو لے کر کمپاؤنڈ میں پھیل گئے۔ پائیں باغ اور کوٹھی کا چپّہ چپّہ چھان ڈالا گیا لیکن مجرموں میں سے ایک کا بھی سُراغ نہ مل سکا۔

اُدھر ہال میں فریدی اور حمید چند سپاہیوں اور سب انسپکٹروں کے ساتھ لاشوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

دفعتاً فریدی چیخا۔"اس میں ابھی کچھ کچھ جان باقی ہے۔"

"مگر یہ ہے کون۔"حمید نے پوچھا۔

"شنکر۔۔۔!" فریدی بولا۔"جلدی کرو۔۔۔ اسے کسی طرح ہسپتال تک لے

چلو۔" حمید رقیہ کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے سے خون ابل کر کپڑوں میں جم گیا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پر زندگی کے آخری لمحات کے تشنّج کے آثار باقی رہ گئے تھے اور خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں سے موتی جیسے ننھے ننھے دانتوں کی جھلکیاں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی انتہائی کرب کے عالم میں مُسکرانے کی کوشش کر رہا ہو۔۔۔ حمید لرز اٹھا۔

پولیس کے سپاہی زخمی شنکر کو اُٹھا کر باہر لے جا رہے تھے۔ لیکن فضول بر آمدے میں پہنچتے پہنچتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

تین لاشیں پولیس کی لاری میں لے جائی جا رہی تھیں۔ رقیہ شنکر اور ساجد کی بوڑھی خادمہ کی لاشیں۔

فریدی خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

رات کے تین بج گئے تھے، لیکن وہ ابھی تک اپنی لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ حمید ایک صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً بولا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ شنکر ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگ گیا۔“

”اوں۔۔۔!“ فریدی چونک کر بولا اور حمید کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے اس انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت وہ قطعی خالی الذّہن ہو۔

”سنو۔۔۔!“ وہ بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ عرصہ سے ان لوگوں کی قید میں تھا۔ اس دِن ساجد کے بنگلے میں شنکر ہی نے حملہ آوروں پر گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اگر وہ ان لوگوں کی قید میں نہ ہوتا تو آج میرے ہاتھ سے بچ کر جا بھی نہیں سکتے تھے۔“

”وہ کس طرح۔۔۔!“

”غالباً رقیہ نے نصیر سے میرے زخمی ہو جانے کا حال بتا دیا تھا۔ اسے اس پر شُبہ ہوا ہو گا کیونکہ شنکر بھی انہیں لوگوں کی قید میں تھا۔ اگر وہ ان کی قید میں نہ ہوتا تو وہ یہی سمجھتے کہ شاید شنکر ہی نے اپنا بدلہ لینے کے لیے مجھ پر حملہ کیا ہو۔۔۔ اور پھر تم نہیں جانتے کہ جابر کتنا چالاک آدمی ہے۔ خصوصاً عورتوں کی تو رگ رگ

سے واقف ہے۔ اس نے ساری باتیں رقیہ سے زبردستی اُگلوالی ہوں گی۔ لیکن ایک بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ شنکر کو گرفتار کر لینے کے بعد بھی وہ لوگ ہماری لاعلمی کا دھوکہ کس طرح کھاتے رہے کیونکہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ شنکر نے ہماری حمایت میں ان کے آدمیوں پر گولی چلائی تھی ان کا مشکوک ہو جانالازمی تھا۔"

"بہت ممکن ہے کہ شنکر نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہو کہ اس کا نشانہ خود آپ تھے۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے، بہر حال اب کیا کیا جائے۔ اُف میرے خدا۔" فریدی اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔ "میں اس لڑکی کی موت کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"ہم نے بہت دیر کر دی۔ اگر ہم سرِ شام ہی کوشش کرتے تو شاید اس کی جان بچ جاتی۔" حمید بولا۔

”اس صورت میں بھی شاید وہ ہمیں زندہ نہ ملتی۔۔۔ اور ہمیں ایک خودکُشی کے کیس سے دوچار ہونا پڑتا۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”تمہیں کوتوالی میں چھوڑ کر میں سیدھا میٹرو گیا، وہاں سے میں نے ان تین کمروں کی تلاشی لی جو نصیر نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ ایک کمرے کی تلاشی لیتے وقت مجھے ایک خط ملا جو رقیہ نے میرے نام لکھا تھا۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی شدّتِ غم سے بھرّائی ہوئی آواز کو درست کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”یہ لو۔۔۔!“ فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ حمید خط پڑھنے لگا۔

”میں جانتی ہوں کہ تم انہیں ٹھکانے لگانے کے بعد میری تلاش میں ضرور آؤ گے، مگر میں دور بہت دور جا چکی ہوں۔ میرا طرزِ تخاطب تمہیں بُرا ضرور لگے گا

مگر جب کہ میں مرنے جارہی ہوں نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں 'تم' کہہ کر مخاطب کروں، میں گنہگار اور بدکار ہوں، لیکن میں میں ہوں اور میری انفرادیت سے تمہیں کیا سروکار؟ میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں۔ یہ میرا فعل ہے۔ رقیہ کا فعل۔۔۔ جو ان سب آلودگیوں کے باوجود بھی رقیہ ہی ہے۔ ہاں تو میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں، نہ جانے کیوں میرا دِل چاہتا ہے کہ سارے خط میں صرف یہی جملہ بار بار دہراتی رہوں۔

اس خط کو ختم کرنے کے بعد میں زہر پی لوں گی۔ حالانکہ تُم نے مجھے بچا لینے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن میں اس کی ہمّت نہیں پاتی کہ اپنے اصلی روپ میں دنیا کے سامنے آسکوں۔

تو کیا تم میری لاش پر آنسو بہاؤ گے؟ میرا دل چاہتا ہے کہ تم میری لاش کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاؤ کیوں؟ یہ میں نہیں جانتی۔۔۔ عجیب فضول سی خواہش ہے، کیا میں مرنے کے بعد تمہیں اپنے لیے آنسو بہاتا ہوا دیکھ سکوں گی؟

میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو فریب دینے کے لیے اتنے قریب ہو گئے تھے، لیکن اس وقت جب میں اپنے دِل کو ٹٹولتی ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اب تک خود کو فریب دیتی رہی ہوں۔ میں تمہیں کبھی شاہد، سمیع اور ساجد کی طرح موت کا دروازہ نہ دکھا سکتی۔ گناہوں کی زندگی میں پڑنے کے بعد میرا دل پتھّر ہو گیا تھا۔ اس میں کسی کے لیے خلوص کا شائبہ بھی نہ تھا لیکن نہ جانے کیوں تم سے ملتے ہی میں نے اپنا دِل دوبارہ واپس پا لیا۔ مجھے میرا عورت پن واپس مل گیا۔ انسانیت واپس مل گئی اور پھر اب تمہیں بتاؤ کہ میں تمہیں اپنا کیوں نہ کہوں۔

میں مرنے جارہی ہوں مجھے ذرّہ برابر بھی اس کا افسوس نہیں۔ مجھے موت سے ڈر محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ خود کُشی! یہ میرا آخری گناہ ہے۔ ایسا گناہ جو پچھلے سارے گناہوں کے نقوش مٹا دے گا۔ میں مجبور ہوں۔ وہ رقیہ جو تمہیں اپنا سمجھتی ہے۔"

حمید کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

”اور پھر شاید وہ لوگ رقیہ کو کسی بہانے سے والٹر روڈ والی کوٹھی میں لے گئے۔“ فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں زندگی بھر اُن کا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک ان میں سے ایک ایک پھانسی کے تختے پر نہ پہنچ جائے گا۔ مجھے چین نہیں آ سکتا۔“

فریدی بے تابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

”مگر اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں جو مجرموں کے کارناموں پر روشنی ڈال سکے۔“ حمید بولا۔

”اوہ چھوڑو۔۔۔ بھی۔۔۔ میں اِس وقت اُس کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ فریدی اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

دیوانہ بولتا ہے

دوسرے دِن صُبح ہی صُبح فریدی گھر سے نکل گیا۔ حمید نے اُسے جاتے دیکھا۔ اس کے کوٹ کے کالر میں ایک بڑا ساتر و تازہ گہرے سُرخ رنگ کا گلاب لگا ہوا تھا۔ حمید کے الفاظ میں اس نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اس قسم کی "بدپرہیزی" کی تھی۔ حمید کے ہونٹوں پر ایک المناک مُسکراہٹ پھیل گئی۔ آج اس کا موڈ بھی بہت زیادہ خراب تھا۔ مرنے والی کا خط پڑھنے کے بعد اسے صحیح معنوں میں اس کے لیے مغموم ہونا پڑا تھا۔ اُسے سچ مچ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے کسی قریبی عزیز کی موت ہو گئی ہو۔

تقریباً دو بجے فریدی واپس آیا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک فکر مندی کے آثار نظر آرہے تھے۔

"حمید۔۔۔ فوراً چلو۔۔۔!" فریدی بولا۔

"کہاں۔۔۔!"

"راج پور نگر۔۔۔!"

"ڈاکٹر شوکت کے یہاں۔"

"خیریت۔۔۔!"

"زیادہ گفتگو کا موقع نہیں جلدی کرو۔"

"دونوں کار میں بیٹھ کر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔"

"ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے ڈاکٹر شوکت کا پیغام موصول ہوا ہے۔" فریدی بولا۔ "غالباً ساجد کی حالت کچھ سُدھر گئی ہے۔"

”اوہ۔۔۔!“

”اب وہی ایک آخری کڑی ہمارے ہاتھ میں رہ گئی ہے۔“

”آپ نے کھانا کھایا۔“

”نہیں۔۔۔!“

”میں نے آپ کو اتنا پریشان کبھی نہیں کیا۔“حمید بولا۔

”میرے سینے میں بھی دِل ہے حمید۔ پتھّر نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”رقیہ اگر خود کُشی کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوتی تو مُجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ اُف وہ اپنی مرضی سے مر بھی نہ سکی۔ معلوم نہیں کب سے وہ ان کے اشاروں پر ناچتی چلی آ رہی تھی اور اس کی موت بھی انہیں کی مرضی کی پابند رہی۔ کیا یہ معمولی ٹریجڈی ہے۔ سنو حمید میں محض سُراغ رسانی کی مشین نہیں ہوں، میری نظر انسانی کمزوریوں اور مجبوریوں پر بھی رہتی ہے۔ میں جب بھی کسی مجرم کو قانون کے حوالے کرنے لگتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا اب ہمیں مجرموں سے پناہ مل

جائے گی؟ کیا مجرموں کو سزا دینے سے وہ بُرائی مٹ جائے گی جس میں مُبتلا ہو کر یہ پھانسی کے تختے کی طرف آتے ہیں؟ اب تک کروڑوں قاتل سزائے موت پا چکے ہیں لیکن کیا اب قتل نہیں ہوتے؟ کیا مجرموں کی تعداد کم ہو گئی؟"

"اِس کا نہ تو ابھی تک کوئی حل دریافت ہوا ہے نہ ہونے کی اُمّید ہے۔" حمید بولا۔

"اس کا حل شروع ہی سے موجود تھا، لیکن اس کی طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا۔ یا اگر دھیان دیا بھی گیا تو محض تفریح طب کے لیے۔ ذہنی برتری ظاہر کرنے کے لیے یہ حل محض کاغذوں اور تقریروں کی زینت رہا۔"

"تو آخر اس کا حل کیا ہے؟"

"بروں سے زیادہ بُرائی کی طرف دھیان دیا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ آخر جرم کیے ہی کیوں جاتے ہیں۔ کیوں نہ سماجی زندگی کو اس معیار پر لایا جائے جہاں جرم کا سوال ہی نہ رہ جائے۔"

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے؟" حمید بولا۔

”ہم جو کُچھ بھی کرتے ہیں اپنی آسودگی کے لیے کرتے ہیں۔ اگر سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن کے تحت ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے آسانی سے جائز طریقے اختیار کر سکیں تو پھر ہمیں انہیں خواہشات کو آسودہ کرنے کے لیے ناجائز راستوں پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔“

”یہاں۔۔۔ میں آپ سے متّفق ہوں، لیکن ان حالات کا پیدا کرنا امرِ محال ہے۔“

”دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں۔۔۔ صرف عزم اور ہمّت چاہیے۔“ فریدی بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دراصل خواہ مخواہ اور بات کو بڑھانا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ آج اس کا موڈ بھی کچھ اچھا نہ تھا۔ بہر حال بقیہ راستہ خاموشی ہی سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر شوکت اور اس کی بیوی نجمہ ان کے منتظر تھے۔ وہاں پہنچ کر تھوڑی دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد فریدی اصل موضوع پر آ گیا۔

”اب وہ قطعی ہوش میں ہے۔“ڈاکٹر شوکت بولا۔

”کیاوہ اس قابل ہو گیاہے کہ اس سے کچھ باتیں کی جاسکیں؟“فریدی نے کہا۔

”ہاں ہاں، لیکن ابھی فی الحال اسے باہر نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ ابھی تک اس کی صحیح بینائی واپس نہیں آئی۔ لیکن مجھے اُمّید ہے کہ وہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔“

”چائے کا وقت ہو گیا ہے۔“ نجمہ بولی۔ ”میرے خیال سے آپ پہلے چائے پی لیجئے پھر بقیہ کام بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔“

”تو بھئی جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرو۔“ فریدی بولا۔ ”میں بہت زیادہ اُلجھن میں ہوں۔“

”کیوں۔۔۔ کیا کوئی خاص بات؟“شوکت نے پوچھا۔

فریدی نے اسے مختصراً سارے حالات بتادیئے۔

"اوہ۔۔۔تو معاملہ بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔" شوکت بولا۔

"بھئی یہ خطہ بھی عجیب ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "آئے دِن قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔" چائے کے دوران میں اسی کیس کے متعلّق مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔

"ہاں تو بھئی اب مجھے اُس سے گفتگو کرنی چاہیے۔" چائے کے خاتمے پر فریدی بولا۔

یہ سب لوگ اُٹھ کر ایک کمرے میں آئے، جو قریب قریب چاروں طرف سے بند تھا۔ کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے پردے پڑے تھے۔ ڈاکٹر شوکت نے احتیاط سے دروازہ کھولا تھا جیسے وہ سورج کی روشنی کی ایک مدھم سی جھلک سے بھی کمرے کی تاریکی کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو۔ یہاں گہرے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا۔ ساجد ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اٹھنے لگا۔

"آپ بیٹھیے۔۔۔کسی قسم کے تکلّف کی ضرورت نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

ساجد بہت غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" شوکت نے کہا۔

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"شکریے کی ضرورت نہیں۔" فریدی بولا۔ "یہ تو میرا فرض تھا۔"

"اگر آپ نہ ہوتے تو شاید میرا بھی وہی حشر ہوتا، جو میرے دوسرے ساتھیوں کا ہوا۔"

"آپ کے ساتھی۔۔۔ ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔"

"جب ہمیں شاہد کی لاش ملی تھی تو ہم سخت اُلجھن میں پڑ گئے تھے کہ کیا کریں۔۔۔ آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ اُسے آپ کے پھاٹک پر ڈال دیں۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہم نے سوچا کہ اگر ہم نے یہ معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا تو ہمیں باقاعدہ طور پر پبلک کے سامنے آنا پڑے گا اور اس میں ہمیں اپنی جان کا خطرہ تھا۔ لہٰذا ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ ہم لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیں۔“

”لیکن سوال یہ ہے کہ آپ خود کو ظاہر کیوں نہیں کرنا چاہتے؟“ فریدی بولا۔

”اس لیے کہ ہمیں اپنی جان کا خوف تھا۔“

”یعنی۔۔۔؟“ فریدی بولا۔

”بہتر یہی ہو گا کہ میں آپ کو شروع سے بتاؤں۔“ ساجد نے کہا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد پھر بولا۔ ”یہ بتائیے کہ اگر آپ کے سامنے کسی مُردہ آدمی کی زندہ نقل آجائے تو آپ پر اس کا کیا اثر ہو گا؟“

ساجد خاموش ہو کر سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”کہتے چلیے۔“ فریدی بولا۔

”میں شاہد اور سمیع بمبئی کی بندر گاہ پر اُترے تو ہم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو برلن میں ہمارے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔“

”تو کیا آپ لوگ جرمنی میں تھے؟“ فریدی بولا۔

”جی ہاں۔۔۔ ہم لوگ وہاں فنِّ مصوّری کے بارے میں ریسرچ کر رہے تھے کہ جنگ شروع ہو گئی اور ہم لوگ وہاں خود کو ایسی پوزیشن میں محسوس کرنے لگے جو ایک ایسے چوہے کی ہو سکتی ہے جسے چوہے دان میں پھنس جانا پڑا ہو۔ وہاں بہت سے ہندوستانی تھے۔ سب کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ انہیں میں رنجیت نگر کا ولی عہد سنگرام سنگھ بھی تھا۔ ایک وقت آیا کہ وہ مُفلسوں جیسی زندگی بسر کرنے لگا اور اسی مُفلسی کے عالم میں ہماری اور اس کی ملاقات ہوئی۔ ہم لوگ آرٹسٹ تھے، اس لیے ہمارے اخراجات کسی نہ کسی طرح چل ہی جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں کہ اب مجھے سوچ کر شرم محسوس ہوتی ہیں۔ ہم لوگوں نے ہندوستان کے مغل شہنشاہوں کے لباس میں ہٹلر کی ایک تصویر بنائی تھی اور اس کے نیچے ”شہنشاہ ہند“ لکھ دیا تھا۔ ہم سے اس کی بے شمار کاپیاں

بنوائی گئیں اور ہمیں ان کا اچھا خاصا معاوضہ ملا۔ انہیں کے سہارے ہم اپنے اخراجات چلاتے رہے۔" ساجد پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں تو آپ رنجیت نگر کے ولی عہد کا تذکرہ کر رہے تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" ساجد نے پھر بولنا شروع کیا۔ "ان دِنوں ہم لوگ ایک گاؤں میں مقیم تھے، سنگرام سنگھ ہمیں وہیں ملا تھا۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ شاید اسی بناء پر ایک جرمن طوائف نے اسے اپنے یہاں پناہ دے دی تھی، لیکن وہاں وہ خوش نہیں تھا۔ اسے کئی قسم کی خطرناک جنسی بیماریاں لاحق ہو گئیں۔ ایک ماہ کے اندر ہی اندر اس کا سارا جسم سڑ گیا اور آخر ایک دِن اس نے ہمارے سامنے ہی دم توڑ دیا۔ وہاں ہمارے اور اس جرمن طوائف کے علاوہ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ بھی ہندوستانی ہی تھا۔ لیکن اس کی شکل یاد کر کے آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُف کتنی بھیانک شکل تھی، وہ اکثر سنگرام سنگھ کی زندگی میں بھی اس سے ملنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ معلوم نہیں وہ دونوں دوست کس طرح بن گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی مجھے ساری دنیا کی دولت دے کر

بھی اس سے دوستی کرنے کے لیے کہتا تو میں تیّار نہ ہوتا۔ اوہ۔۔۔ میں شاید پھر بہک رہا ہوں۔۔۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟"

"نہیں آپ قطعی نہیں بہک رہے ہیں۔" فریدی بولا۔ "ہاں تو اس کی شکل کیسی تھی کہ آپ اس قدر عزّت کا اظہار کر رہے ہیں؟"

"اوہ۔۔۔ فریدی صاحب۔۔۔ میں آپ سے کیا بتاؤں۔" ساجد بولا۔ "اس کی ناک کی جگہ ایک بہت بھیانک قسم کا غار تھا جس سے اس کا حلق تک صاف دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار اس کا چہرہ دیکھ کر پھر دوبارہ دیکھنے کی ہمّت نہیں پڑتی تھی۔ اس کے بعد ہم لوگ اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔"

"اور وہ بھیانک چہرے والا۔۔۔؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔ اس کی شکل سنگرام سنگھ سے بہت ملتی جلتی تھی، البتّہ اس کے ماتھے پر کچھ اس قسم کے نشانات تھے، جیسے وہ کبھی کسی حادثے میں شدید طور پر زخمی ہو گیا ہو۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر چونک ضرور پڑے تھے لیکن ہم نے اس لیے

اس چیز کو کچھ زیادہ اہمیّت نہ دی تھی کہ دنیا میں ایک ہی شکل کے دو آدمیوں کا ہونا کوئی تعجّب خیز بات نہیں، لیکن ہماری یہ لاپروائی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ ہم نے اِتّفاقاً اس کے سامان کے بنڈلوں پر اس کے نام کی چٹیں دیکھ لیں جن پر 'کنور سنگرام سنگھ۔۔۔!' لکھا ہوا تھا۔ اب ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، معاً ہمارے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ یہ کوئی بدمعاش ہے۔ جو رنجیت نگر والوں کو دھوکہ دینے جارہا ہے۔ اس کے ساتھ کئی اور آدمی بھی تھے، جو اس کے مصاحب یا نوکر معلوم ہوتے تھے۔ ہم لوگوں نے تہیّہ کر لیا کہ اس راز کو ضرور معلوم کریں گے، بندرگاہ سے وہ لوگ سیدھے ایک شاندار ہوٹل میں پہنچے۔ ہم لوگوں نے بھی اُسی ہوٹل کا رُخ کیا۔ وہاں ہمیں ایک کمرہ مل گیا۔ لیکن ہمیں وہاں سے بہت جلد ہی بھاگنا پڑا کیونکہ ایک بار کسی نے ہم لوگوں کی جان لینے کی کوشش کی۔ ہمیں ہوش آ گیا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے۔ شاید انہیں ہم لوگوں پر شُبہ ہو گیا تھا۔ ہم نے سوچا کہ خواہ مخواہ زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔ پھر ہم لوگ یہاں آپ کے شہر میں چلے

آئے۔ ہم لوگوں کو یہاں آئے ہوئے مشکل سے تین روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دِن میٹرو میں میری ملاقات رقیہ سے ہو گئی۔ اس کے حُسن کا جادُو مُجھ پر پہلی ہی ملاقات میں چل گیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے روزانہ ملنے لگے۔ چند ہی دِنوں میں اس نے مجھے اپنا سب کچھ سونپ دیا۔ اس نے مجھے قسم دی تھی کہ میں اس کا تذکرہ اپنے انتہائی دوست سے بھی نہ کروں۔ میں نے حقیقتاً ایسا ہی کیا۔ شاہد اور سمیع کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ حالانکہ ہمیں یہاں سے سیدھے اپنے گھروں کو پہنچنا چاہیئے تھا۔ لیکن میں نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ فی الحال یہاں سے کہیں اور نہ جاؤں گا۔ جب میں نے اپنا ارادہ اپنے اور ساتھیوں پر ظاہر کیا تو انہوں نے بھی اس پر صادر کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ دونوں اپنے گھروں کو کیوں نہیں چلے جاتے؟ بہر حال ہم لوگوں نے اپنے اپنے لیے کرائے کے مکان حاصل کر لیے۔ ابھی تک ہم لوگ ساتھ ہی رہتے آرہے تھے، لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اب ہم میں سے ہر ایک الگ مکان لینے پر مصر نظر آرہا تھا۔ مجھے تو اس پر خوشی ہوئی تھی کہ وہ میرے کسی دوست کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی۔ خیر مجھے اس سے کیا مجھے

تو صرف اس سے مطلب تھا۔ اس کے حسن سے مطلب تھا۔ اس کی جوانی سے مطلب تھا۔

لیکن ایک دِن سارے سرور و کیف کا خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ میں نے ان بدمعاشوں میں سے ایک آدمی کو اپنے گھر کے گرد و نواح میں چکّر لگاتے دیکھ لیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بالکل یہی واقعہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اب یہاں سے بھی بھاگنا چاہیے۔ لیکن رقیہ کی محبت مانع ہوئی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ شاہد اور سمیع نے بھی کسی قسم کا خوف ظاہر نہ کیا۔

ایک رات میں اور سمیع شاہد کے گھر گئے، گھر میں بالکل سنّاٹا تھا۔ ہم سمجھے کہ شاید وہ سو رہا ہے، لیکن اس کی حماقت پر بھی غصّہ آیا کہ اس طرح گھر کھلا چھوڑ کر سونے کا کیا مطلب؟ لیکن اُف میرے خدا جب ہم اس کے سونے کے کمرے میں پہنچے تو ہم نے وہاں اس کی لاش دیکھی۔

اُسی شام کو ہم نے اُسے اچھا بھلا دیکھا تھا اور پھر ہمارے لیے سب سے زیادہ تعجّب خیز بات یہ تھی کہ ہم نے اُسے شام کو جس سوٹ میں دیکھا تھا وہی اس وقت بھی اس کے جسم پر موجود تھا۔ اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ ہم دونوں کا یہی خیال تھا کہ وہ قدرتی موت نہیں ہے۔ پھر دفعتاً ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ کہیں یہ انہیں لوگوں کی شرارت تو نہیں ہے جو ایک نقلی ولی عہد کو لیے پھرتے ہیں؟ ہم عرصے سے یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ یہ جان گئے ہیں کہ ہم اس راز سے واقف ہیں، لہٰذا وہ ہمیں اپنے راستے سے ہٹا دینے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں اپنے لیے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہم خود کو چھپانے کی کوشش کریں۔" ساجد خاموش ہو گیا۔

"آپ کو فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہیے تھی۔" فریدی بولا۔

"مگر دشواری تو یہ تھی کہ ہم ان کے ٹھکانے سے ناواقف تھے۔"

”اوہ۔۔۔ ٹھکانادریافت کرناہماراکام ہوتا۔۔۔ خیر۔۔۔!“

”بہر حال ہم نے فیصلہ کیاکہ ہم اس لاش کو کسی طرح آپ کے پھاٹک تک پہنچاکر روپوش ہو جائیں۔ہاں میں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتاہوں کہ میں یہ توچاہتا تھاکہ کسی طرح مجرموں کو سزا ملے لیکن خود اس معاملے میں پڑکر اپنے رنگین اوقات کاخون نہیں کرناچاہتا تھاجو رقیہ کے ساتھ بسر ہو رہے تھے۔ یہ تجویز میری ہی تھی کہ لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیاجائے۔ سمیع نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔شاید میری طرح وہ بھی اِن اُلجھنوں سے بچناچاہتا تھا۔ مگر کیوں یہ مجھے معلوم نہیں۔ دوسری وجہ سامنے نہ آنے کی یہ بھی تھی کہ ہم اس طرح خود کوچھپاکر ان لوگوں کی دستبرد سے بھی محفوظ رہ سکتے تھے۔

بہر حال اس وقت یہی تدبیر سمجھ میں آئی۔ لیکن مجھے اس کا احساس ہو رہاہے کہ ایسا کرنا انتہائی حماقت تھی۔ اس طرح نہ صرف ہم غیر محفوظ ہو گئے تھے بلکہ قانون کی نظروں میں بھی ایک بھاری جرم کیا تھا۔“

"اس میں کوئی شک نہیں۔" فریدی بولا۔

"اس حادثے کے بعد ہم نے پھر اپنے مکانات تبدیل کر دیئے۔ رقیہ سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں، لیکن سمیع کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائی اور پھر ایک دِن وہ بھی آیا کہ مُجھے سمیع کی لاش بھی دیکھنی پڑی اور میں نے اُسے بھی کسی نہ کسی طرح آپ کے پھاٹک تک پہنچا دیا۔ اب رہا سہا شک بھی جاتا رہا۔ میری جگہ اگر کوئی اور آدمی ہوتا تو کب کا اس شہر کو چھوڑ چکا ہوتا۔ مگر رقیہ کی محبّت نے ایک تیز و تند شراب کی طرح میرے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔ اب مجھے اس کا بھی خوف نہ رہ گیا تھا کہ میری اور رقیہ کی محبّت کا راز میرے کسی دوست کو معلوم ہو سکے گا۔ لہٰذا اب میں اسے انتہائی بے تکلّفی کے ساتھ اپنے گھر بلانے لگا تھا۔ اکثر وہ رات رات بھر میرے ساتھ رہ جایا کرتی تھی اور اس کا جواز وہ اس طرح پیش کرتی کہ اس کا چچا نصیر ایک فلاسفر قسم کا آزاد خیال آدمی ہے۔۔۔ وہ اس کی آزادانہ روش پر اسے کچھ نہ کہتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی دِن مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔ ایک شام اس نے مجھے میٹرو میں اسپینی رقاصہ کا ناچ دیکھنے کی دعوت دی اور یہ

بھی کہا کہ وہ مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔"

"غالباً! اس نے آپ کو اس کے لیے خط بھی لکھا تھا۔"

"جی ہاں۔۔۔!"

"اس خط میں کوئی اور خاص بات بھی تحریر تھی؟"

"میرے خیال سے کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔"

"اور وہ تصویر؟"

ساجد سوچنے لگا۔

"ہاں اس نے مجھے اپنی تصویر دی تھی۔ اس نے اس خط میں اسی تصویر کے متعلّق بھی لکھا تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ لیتا آؤں۔ میں وہاں گیا۔ اس کا چچا مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا اور شراب پیش کی۔ میں اس کی دعوت کو رد نہ کر سکا اور۔۔۔ اور پھر مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ بقیہ حالات میں نے ڈاکٹر صاحب کی

زبانی سُنے ہیں۔"

ساجد خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ رقیہ نے دیدہ دانستہ مجھے اس عذاب میں مبتلا کرنا چاہا یا محض اتّفاق تھا؟"

"جی نہیں۔۔۔ یہ ایک بہت ہی سوچا سمجھا ہوا پلاٹ تھا۔ اس طرح مجرم آپ تینوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"تو کیا آپ نے انہیں گرفتار کر لیا؟" ساجد بول پڑا۔ "غالباً انہیں کے ساتھ رقیہ بھی ہو گی۔"

"اُسے آپ بھول جایئے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا اور خود کسی طرف فرار ہو گئے اور اب یہ معاملہ سمجھ میں آیا کہ وہ سب لوگ یہاں کیوں رکے ہوئے تھے، غالباً وہ اپنی تشفی کر لینا چاہتے تھے کہ آپ زندہ ہیں یا مر گئے۔"

”اوہ۔۔۔!“

”کیا آپ اس بات کا کوئی ثبوت عدالت میں پیش کر سکیں گے کہ اصلی سنگرام سنگھ مر چکا ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔ جرمنی سے اس کی موت کا سرٹیفکیٹ منگوایا جا سکتا ہے، جہاں سے وہ مل سکے گا وہاں کا پتہ مجھے معلوم ہے۔“

”بہت خوب۔۔۔!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ آرام کیجیے۔“

پھر وہ ڈاکٹر شوکت کی طرف مڑ کر بولا۔ ”یہاں ان کی موجودگی کا حال کسی کو نہ معلوم ہونے پائے۔“

”تمہاری ہی ہدایت کے مطابق یہ بات میں نے نوکروں تک سے چھپائی ہے اِن کا کام میں اور خود نجمہ کرتی ہیں۔“ شوکت نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔“ ساجد نے گلوگیر آواز میں کہا۔

اس کے بعد فریدی اور حمید شہر واپس آ گئے۔

انجام

تین دِن بعد فریدی حمید اور چیف انسپکٹر محکمہ سُراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"واقعی آپ کا یہ کیس بھی جرائم کی تفتیش کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"مگر افسوس اس کا ہے کہ وہ کم بخت جابر ہاتھ سے نکل گیا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ میں نے اپنا جال چاروں طرف بچھا دیا ہے۔ اُمّید تو ہے کہ جلد ہی اس سے پھر دو

دو ہاتھ کرنے پڑیں گے۔"

"بہر حال خود ان موتوں کا راز معلوم کرنا اپنی جگہ پر ایک ناممکن امر تھا۔ ہاں تم نے یہ نہیں بتایا کہ ان کے فرار ہونے کے بعد تم نے ان کا صحیح پتہ کیسے معلوم کیا؟"

"ساجد سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس فیصلے پر پہنچ گیا تھا کہ وہ لوگ رنجیت نگر ہی گئے ہیں۔ غالباً انہیں ساجد کی موت یا اس کے دماغ کی خرابی کا اچھی طرح یقین ہو گیا تھا اور شاید وہ یہاں اسی لیے رُکے بھی ہوئے تھے کہ ان تینوں کو راستے سے ہٹانے کے بعد اپنا نقلی راج کمار ریاست میں پہنچا کر مزے اڑائیں گے۔"

"ایسی صورت میں انہیں گرفتار کرنے میں بڑی دشواری ہوئی ہو گی۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ابھی تک راج کمار صاحب کو

محل میں نہیں پہنچایا تھا۔ غالباً وہ اس کی تیّاری میں مصروف تھے اور تو اور ریاست کے دو آفیسر بھی اس سازش میں شریک تھے۔ دراصل مجھ سے غَلَطی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ جس جگہ یہ لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں وہیں جابر بھی ہو گا، ورنہ میں انہیں گرفتار کرنے میں جلدی نہ کرتا۔ بہر حال اس جلد بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جابر ہاتھ سے نکل گیا اور ہاں ان لوگوں نے نقلی راج کمار کو فوراً ہی محل میں اس لیے نہیں پہنچایا تھا کہ وہ اسے انہیں دونوں مکّار آفیسروں کے ذریعہ آدابِ شاہی کی تعلیم دِلا رہے تھے کہ نقلی اور اصلی میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔"

"ہاں تو یہ بتاؤ کہ انہیں تمہاری اسکیم کا کیسے علم ہو گیا تھا؟" چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

"دراصل شنکر ان کی قید میں تھا اور میں اس سے لاعلم تھا۔ اس سے قبل میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ شنکر ہی اصل مجرم ہے۔ اس پر وہ لوگ مطمئن تھے، لیکن جب میں نے رقیّہ کے سامنے ایک زخمی کا سوانگ رچایا تو سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ وہ خود بھی شنکر کی گرفتاری سے ناواقف تھی۔ اس نے نصیر سے

میرے زخمی ہونے کا حال بتادیا اور پھر ان لوگوں کو شُبہ ہو گیا کہ ہم انہیں دھو کہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ہمارے پیچھے آدمی لگا دیئے۔ میں اس وقت سے کہیں باہر نہیں نکلا تھا۔ غالباً کوئی شخص حمید کے پیچھے اس وقت سے لگا ہوا تھا جب وہ کوتوالی سے امداد لینے جا رہا تھا۔ بہر حال میں نے بلا سوچے سمجھے زخمی کا سوانگ رچا کر غَلَطی کی تھی، ورنہ جابر بھی یہیں گرفتار ہو گیا ہوتا۔۔۔ خیر۔۔۔ یار زندہ صحبت باقی۔۔۔ نقلی راج کمار اور بقیہ لوگ تو گرفتار ہو ہی گئے ہیں۔"

تمام شُد